باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

ہدیہ محقر از احقر سراج غفرلہ
بخدمت شریف جناب

سیرت حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ

جس میں حضرت سجاد کی سیرت کو جمع روایات و واقعات کربلا کو صحاح کے اقوال کی روشنی میں محقق کیا گیا ہے

مولفہ

حضرت مولانا ابو المصباح محمد سراج الحق صاحب صدیقی مچھلی شہری

مصنف اہلبیت و اہلسنت و کتب کثیرہ

مصنف — مولانا سراج الحق مچھلی شہری۔ حسن منزل ۶۳۵۔ الہ آباد

طابع — اسرار کریمی پریس الہ آباد

ناشر — مظہر عزیز سہیل۔ حسن منزل الہ آباد

سن — ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء

قیمت — دو روپئے

ملنے کا پتہ

۱۔ مصنف سے) ۶۳۵۔ حسن منزل۔ الہ آباد۔

۲۔ مکتبہ اسلامی ادب للہ پورہ (فاطمان) بنارس

۳۔ زبید صدیقی مینجر ادارہ صدیقیہ۔ ۶ دائرہ شاہ اجمل روڈ۔ الہ آباد ۳

باسمہٖ

سببِ تالیف

گورنمنٹ کالج الٰہ آباد میں ۲۹ سال ملازمت کی وجہ سے قریب کے محلہ "دملاکا" کے مسلمانوں سے تعارف، اُنس اور محبت بدرجۂ اتم ہو گئی تھی اور بعض احباب سے تو خواجہ تاشی اور اخوتِ طریق کے رشتہ سے اور بھی گہرے روابط تھے جن میں اکثر کا انتقال ہو گیا بعض حضرات الحمدللہ ابھی بقید حیات ہیں ویسے ہی خیر بر دینی کیساتھ اللہ تعالیٰ انکو مدۃ العمر اسی پر قائم رکھے۔ ان سب احباب کو اس نالائق سے بھی کچھ حسن ظن ہو گیا تھا لیکن انھوں نے حسن ظن ہی پر اکتفا نہیں کی ایک سال ماہ محرم میں انھوں نے یہ عجیب و غریب فرمائش بھی مجھ سے کر دی کہ "ہم چاہتے ہیں کہ تم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر عام مجمع میں تقریر بھی کرو" میں نے عذر بھی کیا کہ میں تقریر کی مد کا آدمی نہیں مجمع میں بول نہیں سکتا۔ خدا نے مجھے بولنے کیلئے نہیں قلم گھسنے کے لئے پیدا کیا ہے، مگر یہ عذر انکسار سمجھا گیا اس لئے قبول نہ ہوا۔ آخر میں نے اس موضوع پر سوچنا۔ حافظہ کے ذخیرہ کو ترتیب دینا شروع کیا اور احتیاطاً ایک پرزہ پر چند اشارات لکھ لئے جنکی مدد سے تقریر اور اسمیں گونہ ترتیب قائم ہو سکے، لیکن بعض وقت روشنیٔ طبع بھی انسان کے لئے بلا بن جاتی ہے اگلے سال پھر وہی فرمائش موجود۔ مجبوراً وعدہ کر لیا اور اس مرتبہ جی چاہا کہ بعض کتب کی مراجعت کر کے مزید واقعات کو صحیح شکل میں مرتب کر کے انکو بتایا جائے تاکہ قدیم کے غلط نظریات کی کچھ تو اصلاح ہو سکے۔

یہ ترتیب و تقریر لوگوں نے پسند کی اسکے دلائل اور نظریات کے وزنی اور مفید ہونے کا بھی سب نے اعتراف کیا اور اب یہ تقاضا کیا کہ اسی ترتیب سے ایک رسالہ لکھ دیا جائے۔ واقعات کربلا پر نہ تقریروں کی کمی ہے نہ تحریروں کی۔ اب کسی تقریر یا تحریر میں

جب تک کوئی زبردست مرجح نہوا سے قبول عام کا حاصل ہونا معلوم! اچانک خیال آیا
کہ کیوں نہ ان واقعات کو چشمدید گواہوں اور شرکاءِ جنگ کے بیانات، خیالات اور تاثرات
کی مدد سے مرتب کیا جائے یہ ایک بالکل نئی چیز ہوگی اور یہ فلسفۂ تاریخ کا نیا نمونہ ہوگا
جس کے نافع ہونے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے سیرت
سیدنا علی زین العابدین رحمہ اللہ کو ترتیب دینا شروع کیا اور اسکے ضمن میں واقعہ ہائلہ
کی تحقیق معاصر صحابہؓ۔ شرکاء کربلا کے بیانات، تاثرات سے مرتب کئے۔

اس نئے نظریے کتاب کی ترتیب و تسوید میں مصنف کو جتنی دشواری پیش
آئی اسے کچھ مصنف ہی کا دل جانتا ہے خاصکر اس لئے کہ مصنف تبیین و تعبیر کی ایسی
کوشش کرنا چاہتا تھا جو صدیوں کے تہ بہ تہ زنگ کو دلوں سے دور بھی کرسکے۔

اس کے بعد اسکی طباعت کا مرحلہ میرے لئے ترتیب سے زیادہ دشوار
تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ بعض عالی ہمت احباب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ مرحلہ بھی آسان کردیا۔

بہرحال اہل محلہ ہی کی سفارش پر اس کتاب کا تخم تیار ہوا تھا اور انھیں کی تحریک و اصرار سے
اب یہ کتاب تیار ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہونچی ہے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اسے مطالعہ کرنے کے بعد راقم
الحروف کے حق میں حسن خاتمہ کی اور اس کتاب کے لئے اہلسنت کے حق میں
نافع اور مصلح ہونے کی دعا ضرور فرمائیں۔

والسلام

محمد سراج الحق مچھلی شہری

حسن منزل - الہ آباد

صفر ۱۳۹۳ھ م اپریل ۱۹۷۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لِلّٰہِ الرَّبِّ الرَّحِیْم عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم لِاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَام لِلنَّفْسِ الدَّنِیَّۃِ
حَامِدًا وَّمُثْنِیًا مُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا مَادِحًا وَّمُبَجِّلًا زَاجِرًا وَّمُسْتَغْفِرًا

فصل اوّل

سوانح وسیرت سیدنا علی زین العابدین رح

نام و کنیت آپ کا نام آپ کے جد امجد کے نام پر علی تھا۔ رحمہ اللہ آپ سیدنا حسین رض بسط رسول کے چھوٹے صاحبزادے تھے آپ کے لقب زین العابدین، سجاد، ذوالثفنات، علی اصغر تھے۔ آپکی کنیت ابوالحسن یا ابوالحسین تھی۔ (نسب قریش ص۵۸-۵۹)

نسب آپ کا دادھیالی نسب اس طرح ہے۔ سیدنا علی رح ابن سیدنا حسین رض ابن سیدنا علی رض ابن خواجہ ابوطالب، ابن خواجہ عبدالمطلب ابن خواجہ ہاشم قریشی۔ آپکا دادھیالی نسبی سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں خواجہ عبدالمطلب میں جاکر ملتا ہے جو حضور کے دادا تھے۔ آپکا

نانہال ہندوستان کا کوئی سندھی گھرانہ تھا جو عرب میں مقیم تھا کیونکہ آپکی والدہ غزالہ یا سُلافہ نام ایک سندھی خاتون تھیں جو کسی جنگ میں گرفتار ہوکر آئی تھیں اور سیدنا حسینؓ کی ام ولد تھیں (انکے بارہ میں دشمنانِ صحابہ نے اپنی فاسد اغراض کیوجہ سے بہت کچھ کذب وافترا کا پوٹ تیار کیا ہے جنکی تحقیق ہم آئندہ صفحات میں مفصل طور پر لکھیں گے۔

آپ کی ولادت

تہذیب التہذیب میں ۳۳ھ سال ولادت لکھی ہے اور "الکمال" میں ہے کہ سال ولادت ۳۶ھ ہے (کیونکہ بعمر ۵۸ سال ۹۴ھ میں آپ نے وفات پائی ہے) لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی اسلیئے کہ آپ جنگ کربلا (۶۱ھ) میں ۲۳ برس کے نوجوان اور صاحب اولاد تھے۔ بہرحال آپ اپنے جدامجد سیدنا علیؓ کے سامنے ہی کوفہ میں پیدا ہوئے تھے اور شہادت سیدنا علیؓ کے حادثۂ فاجعہ (۴۰ھ) کیوقت آپکی عمر دو برس کے لگ بھگ تھی۔

تعلیم وتربیت اور نشوونما

خانوادۂ علوی اور تربیت گاہ نبوی میں پیدا ہونے کیوجہ سے آپ کی تربیت ظاہری وباطنی بہترین طور پر ہوئی۔ آپ نے آنکھ کھولی تو ہر طرف صحابہؓ یا انکی تعلیم پائے ہوئے تابعین کا جمگھٹا اور قرآن وحدیث کا چرچا دیکھا اس لیئے آپ نے بھی اپنے والد سیدنا حسینؓ اپنے چچا سیدنا حسنؓ سے اور بعض دیگر صحابہؓ سے علم سیکھا اور روایت حدیث کی آپ نے

حضرات صحابہؓ مثل ابن عباسؓ۔ مسور بن مخرمہؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ ابو رافعؓ و امہات المومنین سیدات عائشہؓ۔ صفیہؓ۔ ام سلمہؓ و زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہم و حضرات تابعین مروان بن الحکم و عمر بن عثمان رحمہم اللہ وغیرہم سے حدیث کی روایت کی۔ آپ سے بھی تابعین اور تبع تابعین مثل محمد باقرؒ۔ زید۔ زہریؒ وغیرہم نے حدیث کی روایتیں کیں۔ حسن اتفاق سے آپکے اساتذہ اور تلامذہ دونوں ہی کی تعداد بہت زیادہ تھی بعض مورخین نے یہ جو لکھا ہے کہ آپ نے اپنے دادا سیدنا علیؓ سے بھی روایت حدیث کی ہے یا ابو داؤد کہتے ہیں کہ آپ نے سیدہ عائشہؓ سے نہ کوئی حدیث سنی نہ روایت کی تو یہ دونوں باتیں صحیح نہیں یعنی آپ نے سیدنا علیؓ سے تو روایت نہیں کی مگر سیدہ عائشہ سے روایت کی ہے۔ محدث حاکم کا قول ہے کہ "صحیح ترین اور معتبر ترین اسناد حدیث یہ ہے" زہری عن علی ابن الحسین عن الحسین عن علی رضی اللہ عنہم" آپ کثیر الحدیث تھے حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے علی ابن حسینؒ سے حدیث سنی۔

ے۔ الحدیث بالحدیث یذکر۔ یہاں ایسی ہی سلسلۃ الذہب قسم کی ایک حدیث اتفاق سے یاد آگئی۔ آیت مباہلہ کی تفسیر میں امام سیوطی نے در منشور (ج ۲ ص ۴۰) میں اور سید محمود آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی (ج ۳ ص ۱۶۷ و بعد) میں محدث ابن عساکر سے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے:۔ عن جعفر عن ابیہ محمد فی ہذہ الآیۃ (تعالوا ندع ابناءنا) قال فجاء بابی بکر وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ وبعلی وولدہ۔ یعنی حضرت جعفر صادق نے اپنے والد محمد باقر سے (اور

سیرت و منزلت آپ اہل مدینہ میں تابعین کے طبقۂ ثانیہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور اپنے عہد کے اجلّہ تابعین اور مشاہیر و اعلام میں تھے۔ آپ اور امام زُہری ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے۔ آپکو بالاتفاق فاضل، ثقہ، مامون اور معتبر مانا جاتا ہے امام زُہری کہتے ہیں کہ ابن عُیینہ کا یہ قول ہم تک پہونچا ہے کہ "کوئی قریشی علی زین العابدین سے نہ افضل تھا اور نہ کوئی انسے بڑھکر فقیہ" تھا۔ حمّاد کہتے ہیں "میں جتنے ہاشمیوں سے ملا ہوں علی ابن حسینؒ ان سب سے افضل تھے"۔ مالک ابن وہب کہتے ہیں کہ "اہلبیت میں ان (علی زین العابدین) جیسا کوئی نہ تھا"۔ سعید بن مُسَیَّب کا قول ہے کہ "ان سے بڑھکر پرہیزگار کوئی نہ تھا۔ عجلی کہتے ہیں کہ "علی بن حسین مدنی تابعی اور ثقہ تھے"۔

اہلبیت اوپر اہلبیت کا لفظ آیا ہے تو اسکے متعلق ایک علمی تنبیہ ضروری معلوم ہوتی ہو دشمنان دین و اعدائے قرآن نے

(اور ظاہر ہے کہ محمد باقرؒ نے بھی اپنے خاندانی اکابر یا دیگر اکابر ہی سے سنکر) یہ روایت کی ہے کہ حضورؐ نصاریٰ سے مباہلہ کیلئے تیار ہو کر علیؓ کو بھی مع انکی اولاد (حسنینؓ) کے اور حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی مع انکی اولاد کے لیکر میدان میں تشریف لائے تھے۔ دشمنان صحابہ نے اپنے بے پناہ پروپگنڈے کے ذریعہ ایسی مضبوط حدیث کو بھی کمزور و مشتبہ قرار دینا چاہا ہے اور افسوس ہے کہ بہت سے اہلسنت بھی انکے فریب میں آگئے اور اسے کمزور کہنے لگے دیکھئے روح المعانی

اہلبیت لفظ کے ذریعہ امت کو بہت بہت فریب دیئے ہیں عقلاً و نقلاً صحیح بات وہ ہے جو مولانا عبدالحق حقانیؒ نے آیت تطہیر کی تفسیر میں بڑی وضاحت اور خوبی سے لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ "(۱) آیت میں اہلبیت سے مراد آنحضرت صلعم کی بیویاں ہیں۔ جسکو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے سیاق و سباق میں نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر لیتا ہے۔۔۔(۲) قول فیصل یہ ہے کہ در اصل اہلبیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں۔ ان میں حضرتؐ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔۔۔ (۳) حقیقت میں اہلبیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرتؐ کے سامنے موجود تھے"۔۔۔ انتہیٰ۔ مطلب یہ کہ اہلبیت عربی لغت میں تو اصالۃً بیوی کو پھر تبعاً اولاد کو کہتے ہیں مگر اسکا استعمال کسی کی طرف اضافت ہی کے ساتھ چاہیئے مثلاً علیؓ کے اہلبیت خود سیدنا علیؓ نے کہا"۔۔۔لیس لی معین الا اہلبیتی" (نہج البلاغہ) یا سیدنا حسنؓ نے کہا "فیضیع اہلبیتی" (احتجاج) ہاں جب لفظ بے اضافت مطلق بولا جائے تو اس سے مراد حقیقۃً تو حضورؐ کی گیارہ ازواج مطہرات اور صرف ازواج مطہرات ہی ہوتی ہیں اور تبعاً آپؐ کے تینوں صاحبزادے (جو زندہ نہ رہے) اور آپکی چاروں بیٹیاں یا پھر مجازاً حضورؐ کے ساتوں نواسے نواسیاں۔ یعنی حسنؓ و حسینؓ اور انکی دونوں حقیقی بہنیں زینبؓ و ام کلثومؓ نیز انکے ہمعصر اور ہمرکے خالہ زاد بھائی بہن مثلاً سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہؐ کے بیٹے علیؓ و امامہؓ اور سیدہ رقیہ بنت رسول اللہؐ کے بیٹے عبداللہؓ۔ بس یہی لوگ اہلبیت ہیں کیونکہ یہی حضرات حضورؐ کے سامنے موجود تھے۔

اور حضورؐ نے انھیں کو کھلایا اور گود میں لیا یہی لوگ حضورؐ کے سامنے حضورؐ کے گھروں میں آتے جاتے رہے۔ اور انھیں کو حضورؐ نے اپنا پیارا کہا۔ چنانچہ سیدہ اما مُہ کو تو حضورؐ نے "اَحَبُّ اَھلِ بَیتِی" فرمایا۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ حضورؐ کی تمام ازواج تو آپ کے اصلی اہلبیت ہیں۔ قرآن نے صرف انھیں کو "اہلبیت" اور "یُطہِّرکُم تطہیرا" کہا ہے۔ اسکے بعد تبعًا آپ کے تینوں صاحبزادگان (قاسمؓ۔ عبداللہؓ ابراہیمؓ) اور چاروں صاحبزادیاں (زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ۔ فاطمہؓ) اور آپ کے جملہ ربیبی اولاد۔ ہندؓ و ہالہؓ (اولاد خدیجہ) اور سیدہ سلمہ (بنت ام سلمہؓ) بھی آپ کے اہلبیت تبعی ہیں۔ یہی تو آپؐ کے اہلبیت مطلقًا کہے جانے کے مستحق ہیں جو آپؐ کے ساتھ آپؐ کے گھروں میں رہے۔ باقی رہے آپ کے تمام رشتہ دار جو آپ کے سامنے موجود تھے خواہ آپ نے انکو اہلبیت فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو یا وہ صحابہؓ جنکو آپؐ نے اپنا اہلبیت فرمادیا ہو تو یہ سب مجازًا یا حکمًا اہلبیت نبوی ہیں۔ انکا درجہ عقل و نقل میں کسی طرح اہلبیت حقیقی و تبعی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اب رہے حضرات حسنینؓ یا انکی اولاد در اولاد وغیرہم تو انکو اگر کبھی اہلبیت نبوی مجازًا کہدیا جائے تو مضائقہ نہیں کہدیا جائے، مگر اس مجاز کی حقیقت کو کبھی نہ ظاہر کرنا اور حضرات جعفر صادقؒ و محمد باقرؒ و علی زین العابدینؒ کو کبھی برابر مطلقًا اہلبیت بونا اور انکو حقیقۃً اہلبیت نبوی بھی سمجھتے اور سمجھاتے رہنا یا تو جہالت ہے یا فریب۔ جعفر صادقؒ حقیقۃً اہلبیت محمدؐ

تھے۔ محمد باقرؒ اہلبیت علی زین العابدینؒ تھے۔ علی زین العابدینؒ حقیقۃً اہلبیت حسینؓ تھے اور حسین اہلبیت علیؓ تھے۔ خدا ہی زیغ قلب اور سوءِ فہم سے بچائے اور فہم سلیم عطا فرمائے۔

آپ اور جنگِ کربلا

آپ کی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ، واقعۂ کربلا ہے۔ کربلا کے حزنیہ پر کتابوں اور کتابچوں کی کمی نہیں اسلئے بظاہر اسپر قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی مگر چونکہ ان میں اظہار غم اور طلب ثواب ہی کی نیت معلوم ہوتی ہے۔ تصحیح معلومات۔ تحقیق واقعات اور اصلاح عقائد کی غرض کسی کی بھی نہیں معلوم ہوتی۔ اسلئے شاید ایسی تمام ہی کتابیں واقعہ کے مورّخ اول (ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی) کی آوازِ بازگشت بنکر رہ گئی ہیں۔ اگر کسی کو تحقیق واقعہ مقصود ہوتی تو مجھے تعجب ہے کہ اس سلسلہ میں ذیل کی چند کلیدی باتوں کیطرف اسکی نظر کیوں نہیں گئی اور واقعات کی ترتیب میں ان موٹی واضح باتوں کو انکا واقعی درجہ کیوں نہیں دیا گیا۔

(الف) کوفہ اور اہل کوفہ کا کردار جنگ کربلا میں اور اس سے قبل کیسا تھا؟

(ب) واقعہ کربلا پر عوام اور خواص امت کا ردِّ عمل کیا ہوا؟

(ج) ہمعصر اہل اسلام و اکابر اسلام کے خیالات، خصوصاً سیدنا زین العابدینؒ کے خیالات و رجحانات کیا تھے؟

(د) واقعہ کو پہلے پہل جس نے قلمبند کر کے تاریخ میں لکھا اسکے کردار وخیالات کیسے تھے؟

غرض اس موضوع کی کتابوں میں یہ کمی دیکھکر جی چاہا کہ حضرت زین العابدینؒ کی سیرت کی تکمیل کی نیت سے اسکی کچھ تحقیق بھی لکھدی جائے اسلئے مختصر طور پر اسے جداگانہ فصل میں آخر میں کچھ لکھوں گا۔ اسکے لکھنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سیدنا علی رحمہ اللہ اس واقعہ کے عینی شاہد تھے اور کسی واقعہ میں شریک اور معاصر حضرات ہی سے اسکی سچی تاریخ تیار کیجا سکتی ہے۔

فقر باطن

فقر باطن کہتے ہیں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی درستی کی فکر کو۔ یہ بات اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کا قلب سنور چکا ہو اور قلب کا سنورنا خدا کی توفیق پر منحصر ہے۔ یوں تو حق تعالیٰ جسے چاہے بغیر اسباب ظاہری بھی محض اپنی رحمت سے یہ دولت دیدے مگر عادۃً خدا نے اسکے کچھ اسباب بھی مقرر کر دیے ہیں جنکی تاثیر ہی یہ ہے کہ وہ قلب کو سنوار دیتے ہیں۔ ایک سبب صلحاء واتقیاء کی صحبت اور نیک لوگوں میں پرورش پانا ہے۔ دوسرا سبب دنیا کے حوادث اور مصائب ہیں جنکے پیش آنے سے انسان کا دل دنیا کی محبت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ تیسرا سبب موت کی یاد ہے اور قبرستان میں آتے جاتے رہنا ہے۔ اس سے عبرت پذیری، برزخ وحشر کے یقینی مراحل کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

حسن اتفاق سے سیدنا علی زین العابدینؒ کو یہ تمام اسباب ظاہری بھی حاصل تھے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے باعث خدا تعالیٰ کا فضل خاص بھی آپ پر تھا آپ نے جب آنکھیں کھولیں تو اپنے ماحول میں آپ کو نظر آیا کہ

(۱) سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی "الفئۃ الباغیہ" (سبائیوں کی باغی ٹولی) کی فتنہ انگیزیوں کے باعث رائے کی غلطی اور خطائے اجتہادی کر بیٹھے۔ دونوں میں آویزشیں ہو رہی تھیں۔

(۲)۔ وہی "الفئۃ الباغیہ" کچھ پہلے سے اسلام کی تخریب کاری کا ایک دور رس منصوبہ بنا کر اکابر صحابہؓ کو مختلف بہانوں سے جھوٹے الزامات لگا لگا کر بعض کو قتل، بعض کو بدنام کرنا اور اسلام کو نابود کرنا چاہتی تھی اور اس تخریب کاری میں سب سے زیادہ کوفہ اسکے بعد مصر کے لوگ سرغنہ رہے چنانچہ اس دور رس منصوبہ کے ماتحت

۱۔ انھوں نے ۲۰ھ کے حدود میں عہد فاروقی میں سیدنا عبدالرحمن بن عوف اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو بدنام کرنا چاہا تھا۔

۲۔ وہ ۳۱ھ کے حدود میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو شراب پینے کی جھوٹی تہمت لگا کر معزول کرا چکے تھے۔

۳۔ انھوں نے ۳۵ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بے بنیاد الزام لگا کر شہید کیا کہ یہ کنبہ پروری کرتے ہیں اور بیت المال کا روپیہ برباد کرتے ہیں وغیرہ۔

۴۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل میں طلحہ رضی اللہ عنہ کو چھپ کر تیر سے شہید کیا کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کرنے کے بعد اُسے توڑا اور انکی مخالفت کی (اور اپنے اس جرم کو حضرت مروان کے سر تھوپا)۔

۵۔ ۳۶ھ ہی میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی ابن جرموز سبائی نے یہ کہکر شہید کر دیا کہ یہ علیؓ کے دشمن تھے۔

۶۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین میں اپنے ہی فوج کے سیدنا عمارؓ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اس جرم کو سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کے سر تھوپا۔

۷۔ ۳۷ھ ہی میں تحکیم کے بعد سیدنا علی کو سوّد اللہ وجہہ کی گالیاں دینے لگے اور انھیں میں سے بعض حضرت علیؓ کو خدا کہنے لگے۔

۸۔ ۴۰ھ میں خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس باغی ٹولی کے ایک فرد ابن ملجم سبائی خارجی مرادی نے یہ کہکر شہید کر دیا کہ علیؓ و معاویہؓ اور ابنؓ العاص ہی خلفشار کی جڑ ہیں

۹۔ ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ و ابن العاص رضی اللہ عنہما پر قاتلانہ حملے کئے اگرچہ دونوں بچ گئے۔

۱۰۔ ۴۱ھ میں سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے وہ بچ گئے تو انکی ایک بیوی کو شریک کر کے زہر دلا دیا۔

۱۱۔ سیدنا حسنؓ کو "یا مذل المسلمین یا مسود وجوہ المسلمین" (مسلمانوں کو

ذلیل کرنیوالے، مسلمانوں کے منہ میں کالک لگانے والے کی گالیاں دیں۔

۱۲۔ سنہ ۶۱ھ میں انھیں کوفیوں نے والد محترم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت وحکومت کا لالچ دیکر اور ساتھ دینے کا وعدہ کر کے بلایا پھر مختلف ترکیبوں سے انکو شہید کر دیا۔

غرض ان مسلسل واقعات کو انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، انکی خبریں سنیں، چونکہ وہ خود واقعۂ کربلا کے عینی شاہد تھے وہ اسکے مضمرات کو عقل وفراست سے سمجھتے تھے اسلئے انکا اس سے عبرت لینا بالکل فطری تھا۔ ایسے منافقانہ ماحول اور ان احوالِ پرہول کو دیکھکر آپ کا قلب شدت سے متاثر ہوگیا۔ دنیا کی طرف سے دل سرد پڑگیا اسلئے آپ نے اپنے قلب سلیم سے اپنے لئے وہ دستور حیات تجویز کیا جو (بحکم ففہمناھا سلیمان[۵]) خود انکے والد ماجد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کبھی سمجھ میں نہ آسکا تھا انکا تجویز کردہ دستور حیات یہ تھا:۔

۱۔ لوگوں میں نفاق کا مرض زیادہ پھیل گیا ہے اسلئے عقیدت ظاہر کرنے والوں کے اعتقاد آمیز اقوال پر، انکی دوستی پر، انکے وعدوں پر اعتماد کر لینا نادانی ہے۔

---

[۵] ۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی سمجھ میں ایک مقدمہ کا صحیح فیصلہ نہیں آیا تھا تو ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ صحیح فیصلہ سمجھا دیا یعنی والد

۲- بہت سے دشمن، ہمدرد اور معتقد بنکر خوشامد بھری باتیں کرتے اور حرص و لالچ مال کا یا حکومت کا دلاتے ہیں انکی باتوں میں نہ آنا چاہیئے۔

۳- کوفیوں، سبائیوں کے کہنے میں تو اب کبھی بھی نہ آنا چاہیئے چاہے وہ قرآن کا بھی جامہ پہنکر آئیں اور قسمیں کھائیں۔ والد ماجد سیدنا حسینؓ (باوجودیکہ انھوں نے جد امجد سیدنا حضرت علیؓ اور عم محترم سیدنا حسنؓ کے ساتھ فریب و قتل کے معاملات بھی دیکھے تھے پھر بھی) اپنی سادہ دلی اور صاف دلی کے باعث انکے بلانے پر اعتماد کرکے مکہ و مدینہ کے قیام امن و عافیت چھوڑکر کوفہ چلے گئے ان کے ساتھ بھی جب انھوں نے ایسا سفاکانہ سلوک کیا تو اب پھر ان سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے؟

۴- ارباب حکومت کا فریب بھی مضر باطن ہے اس لیئے ان سے بھی دور رہنا چاہیئے۔

کی سمجھ میں جو بات نہ آئی وہ بیٹے نے سمجھ لی۔ یہی صورت سیدنا علیؓ و حسنؓ کو بھی صلح معاویہ میں پیش آئی اور وہی صورت یہاں سیدنا حسینؓ اور اور انکے فرزند حضرت زین العابدینؒ کو بھی پیش آئی۔ ۱۲-

۵- چنانچہ آگے "حکیمانہ اقوال" کے ضمن میں آرہا ہے کہ آپنے تو انکو "جھوٹے اور خدا پر جری" کا خطاب دیدیا تھا۔ ایک کوفی نے رُو در رُو آپکو برا بھلا کہا آپ سنکر چپ رہے، آپنے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کا درجہ گرانے والوں کو اپنا صحیح عقیدہ بتایا تھا۔ کربلا کے دوسرے عینی شاہد سیدنا حسن مثنیٰ نے انکے بارے میں جو نفرت و غصہ کا اظہار کیا ہے وہ بھی آگے آرہا ہے۔ ۱۲-

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاحِ قلب اور اصلاحِ دین کے لئے تشریف لائے تھے۔ قلب و دین کی اصلاح سے تو دنیا ناک رگڑتی خود بخود پاس چلی آتی ہے، اسلیئے انسان کو تو دین و قلب ہی کی اصلاح کی فکر رکھنا چاہیئے اسکے بعد اگر اللہ نے حکومت قسمت میں لکھی ہے تو حکومت خود ہی مومن کو ڈھونڈھتی آئیگی۔ مومن کو زیبا نہیں کہ وہ طلب حکومت کرے۔ چنانچہ ہمارے نانا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر منع فرمادیا ہے کہ "جو شخص کسی منصب کا طالب ہو اسے ہرگز نہ دیا جائے"۔ اور ایک جگہ فرمایا "اگر حکومت بغیر طلب و خواہش کے ملتی ہے تو اسمیں خدا کی مدد بھی ملتی ہے طالب کو مدد نہیں ملتی"۔ معلوم ہوا کہ طلب حکومت نہ خدا کو پسند ہے نہ رسولؐ کو۔ الغرض ان امور کے پیش نظر آپ نے ٹھان لیا کہ دنیا اور اہل دنیا سے کوفہ اور اہل کوفہ سے اور طلب حکومت سے بالکل ہی الگ اور دور رہیں گے اور اپنے لئے واحد فکر، فکرِ آخرت کو بنائیں گے۔ چنانچہ آپ واقعہ کربلا کے بعد ہی سے روزانہ فرض اور سنت نمازوں کے علاوہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ اکثر روزہ رکھتے۔ آخرت کو بہت یاد کرتے اور اپنی آخری سانس تک مذکورہ اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔ کوفہ اور دیگر مقامات کے مفسدین نے آپ کو بہت بہت لالچ دیا، اپنی اطاعت و اقتدا کا بہت بہت وعدہ کیا مگر آپ نے اپنے اصول سے سر مو بھی انحراف نہ کیا۔ اسی کثرتِ عبادت کے باعث آپ سجاد (بہت سجدہ

کرنیوالے، بہت نمازیں پڑھنے والے) اور زین العابدین (عبادت گذاروں کی محفل کی زینت) عابد (عبادت گذار) کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ آپ جب نماز کے لئے وضو کرتے تو چہرہ زرد ہو جاتا اور نماز کو کھڑے ہوتے تو کانپنے لگتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کیا تم کو خبر نہیں کہ میں کس پاک ذات کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں۔ ایکبار آپ سجدہ میں تھے کہ گھر میں آگ لگی، لوگوں نے پکار کر کہا حضرت آگ لگ گئی۔ مگر آپ اسی محویت کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ جب فارغ ہوئے تو آگ بجھ چکی تھی۔ کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا جہنم کے آگ کے خوف نے کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

آپ بہت متواضع، منکسر مزاج تھے۔ نافع بن جبیر نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے پاس کم درجہ والے لوگوں کو کیوں بٹھاتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ "میں اپنے پاس ایسوں کو کیوں نہ بٹھاؤں جن سے مجھے دین و آخرت کا نفع ہو"۔

جویریہ بن اسماء کہتی ہیں کہ آپ میں احتیاط بدرجہ غائت تھی۔ آپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کے احترام میں مشتبہ مال کبھی نہیں کھایا۔

ایک بار آپ نے حج کا احرام باندھا اور سواری پر سوار ہونے لگے کہ آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور پسینہ چھوٹنے لگا۔ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ اس حال کے غلبہ سے "لبیک" نہ کہہ سکے۔ کسی نے ہمت

کر کے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ لبیک تو کہیے بغیر اس کے احرام نہ بندھے گا۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ خوف ہونے لگا ہے کہ میں تو ادھر لبیک کہوں کہیں اُدھر غیب سے "لا لبیک" کی آواز نہ آجائے۔ لوگوں نے کہا لبیک تو بہر حال کہنا ہی پڑے گا کیونکہ فرض ہے۔ آخر لوگوں کے کہنے پر آپ نے لبیک کہہ تو دی مگر فوراً ہی غش کھا کر سواری سے نیچے گر پڑے جب اس قوی حال سے افاقہ ہوا تو آپ نے بمشکل لبیک کہی۔ غرض اس سفر حج میں آپ پر خشیت حق کا ایسا ہی قوی حال برابر طاری رہا۔

آپ کے سوز باطن اور انابت الی اللہ کا ایک واقعہ اور سنیے اصمعی کہتے ہیں ایک شب میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر یہ اشعار پڑھ رہا ہے

یا مَن یجیب دعاء المضطر فی الظُلَمِ　　یا کاشف الضُرِّ والبلویٰ مع السقمِ

(اے وہ آقا جو رات کی تاریکیوں میں ایک مضطر کی دعا قبول فرماتے ہیں اور مصیبت اور غم کو جو بیماری کے ساتھ ہو دور کر دیتے ہیں)۔

قد نامَ وفدک حولَ البیت وانتبهوا　　وانت یا حیُّ یا قیومُ لم تنمِ

(آپ کے پاس آیا ہوا وفد بیت اللہ (کا طواف کر کے اس) کے اردگرد سو بھی چکا اور پھر بیدار بھی ہو گیا۔ مگر اے حی و قیوم آپ ہی ایسے ہیں جو سوتے نہیں)۔

ادعوک ربی حزیناً هائماً قلقاً　　فارحم بکائی بحق البیت والحرمِ

(اے میرے رب میں غمگین، پریشان اور بے چین ہو ہو کر آپکو پکار رہا ہوں تو بیت اللہ اور حرم کے صدقے میں میرے رونے پر رحم فرمائیے)۔

اِنْ کَانَ جُوْدُکَ لَا یَرْجُوْہُ ذُوْ سَفَہٍ　　فَمَنْ یَجُوْدُ عَلَی الْعَاصِیْنَ بِالْکَرَمِ

(اگر بالفرض کوئی بیوقوف (گنہگار) آپ کی بخشش کی امید نہ کرے تو پھر ان تمام گنہگاروں پر کرم کرکے کون بخشش کرے گا)۔

یہ اشعار پڑھکر وہ نوجوان خوب رویا اسکے بعد پھر اسطرح دعا کی

اَلَا یَا اَیُّھَا الْمَقْصُوْدُ فِیْ کُلِّ حَاجَتِیْ　　شَکَوْتُ اِلَیْکَ الضُّرَّ فَارْحَمْ شِکَایَتِیْ

(اے وہ ذات جو ہر حاجت میں سب کا مقصود ہے میں بھی آپ کے سامنے اپنی تکلیف کی شکایت لیکر آیا ہوں تو میری شکایت پر رحم کیجئے)۔

اَلَا یَا رَجَائِیْ اَنْتَ تَکْشِفُ کُرْبَتِیْ　　فَھَبْ لِیْ ذُنُوْبِیْ کُلَّھَا وَاقْضِ حَاجَتِیْ

(اے میرے امیدگاہ! میرے رنج و غم کو بس آپ ہی دور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے تمام گناہ بس مجھی کو واپس دیدیجئے۔ انپر سزا نہ دیجئے۔ یہی میری حاجت ہے اسے پورا کر دیجئے)۔

اَتَیْتُ بِاَعْمَالٍ قِبَاحٍ رَدِیْئَۃٍ　　وَمَا فِی الْوَرٰی عَبْدٌ جَنٰی کَجِنَایَتِیْ

(میں نہایت ہی ردی اور قبیح اعمال لیکر حاضر ہوا ہوں۔ ساری دنیا میں کوئی بندہ نہ ہوگا جس نے میرے گناہوں کے برابر گناہ کیے ہوں)۔

اَتُحْرِقُنِیْ بِالنَّارِ یَا غَایَۃَ الْمُنٰی　　فَاَیْنَ رَجَائِیْ ثُمَّ اَیْنَ مَخَافَتِیْ

اے میری امیدوں کے منتہا! کیا آپ مجھے آگ میں جلائیں گے۔ اگر بالفرض ایسا ہوا تو میری امید کہاں گئی، اور میرا خوف کیا کام آیا؟)۔

یہ کہہ کر وہ جوان زمین پر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے اس جوان کو قریب جاکر دیکھا تو حضرت زین العابدینؒ تھے۔ یہ دیکھکر میں نے انکا سر مبارک

اپنی گود میں رکھا اور خود بھی رونے لگا۔ میرے آنسو جو آپکے رخسار مبارک پر گرے تو آپ نے آنکھ کھولدی اور فرمایا یہ کون ہے جو میرے رب کے اور میرے درمیان حائل ہو گیا ہے اور مجھ پر ٹوٹا پڑ رہا ہے میں نے کہا حضرت! آپ کا غلام اصمعی ہے۔ اے ہمارے سیّد! آپ تو اہلبیت نبوت اور معدن رسالت سے ہیں پھر یہ اس قدر جزع وفزع کیوں؟ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا ہے "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ یعنی اے اہلبیت اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ تم سے یہ گندگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک کر دے" آپ نے فرمایا اے اصمعی کیا کہتے ہو؟ اللہ تعالےٰ نے جنت کو مطیعین کیلئے پیدا کیا ہے اگرچہ وہ عبد حبشی ہی ہو اور دوزخ کو عاصیین کے لئے بنایا ہے اگرچہ وہ حُر قرشی ہو۔ کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا ہے کہ "فاذا نفخ فی الصور (الآیہ) یعنی جب (دوسرا) صور پھونکا جائے گا تو اس دن لوگوں کے باہمی رشتے کچھ کام نہ آئیں گے۔ ان سے انکے متعلق کچھ بھی نہ پوچھا جائے گا۔ اس دن تو جس جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گا بس وہی لوگ تو فلاح پانیوالے ہونگے اور جسکی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گا ایسے ہی لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنا گھاٹا کر لیا۔ وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کو جہنم میں رہیں گے (انتہاء)۔ (از سراج غفرلہ) میں نے یہ اشعار نقل تو کر دیئے ہیں مگر طبیعت کے ایک شک اور کھٹک کا ذکر بھی کر دینا علمی دیانت سمجھتا ہوں ایک تو یہ کہ پہلا مصرعہ (اگر نقل کی غلطی نہیں ہے تو) وزن سے گرتا ہے

سیدنا علیؓ نے یوں نہ کہا ہوگا بلکہ شاید کچھ اسطرح کہا ہو۔ یا مَن یری دعوۃ المضطر فی الظلم۔ شعر پانچ میں فارحم شکایتی کوئی زباندان شاید ہی بولنا پسند کرے۔ شعر چھ میں گناہ بخشنے کیلئے فہب لی ذنوبی کہنا اور ذنوب کا ہبہ محاورہ میں لانا سخت عجیب ہے شعر آٹھ میں بجائے اس درخواست کے کہ دیکھئے مجھے آگ میں نہ جلائیے خدا سے یہ پوچھنا کہ کیا آپ مجھے آگ میں جلائیں گے؟ گویا خدا کے سامنے اپنی اہمیت جتانا اور اپنی رجا و خوف پر معاوضہ کا دعوا و حق جتانا ہے۔ ابن حسینؓ جیسے شخص سے عجیب ہے پھر آیۂ تطہیر کا مصداق غیر امہات المومنین کو جزماً بتانا سبائیہ کے تو مقاصد حیات میں سے ہے مگر غلط ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ سیدنا علی زین العابدینؒ نے اسے سننے کے بعد اسکی تردید نہیں کی اور اس غلط تفسیر کی گویا تقریر کر دی۔ دیکھئے غلط فہمی نہ ہو میں اس واقعہ کو تو صحیح سمجھتا ہوں مگر اصمعی میرے نزدیک صرف ادیب و شاعر اور غیر معتبر ہے۔ میرے نزدیک نہ یہ نظم سیدنا علیؓ کی ہے، نہ آیت تطہیر کی غلط تفسیر آکی یہ تقریر۔ یہ سب اصمعی کا اضافہ اور تبلیغ رفض ہے۔

اموی خلیفہ اور حضرت علیؓ

ایک دن خلیفۂ وقت ہشام طواف کعبہ کر رہا تھا حجر اسود پر لوگوں کے ہجوم کے باعث اسے دیر تک رکنا اور انتظار کرنا پڑا۔ یہ ابھی کھڑا انتظار ہی کر رہا تھا کہ سیدنا علی زین العابدین بھی طواف

کرتے ہوئے جب حجر اسود پر پہونچے تو لوگوں نے آپ کے بوسہ دینے کے لئے حجر اسود خالی کر دیا اور آپ اطمینان سے بوسہ دیکر پھر طواف میں مشغول ہو گئے۔ خلیفہ نے اتنا تو دیکھا کہ کسی کے آنے پر مسلمانوں نے اکرام کیا اور حجر کو خالی کر دیا مگر ہجوم کے اور فاصلہ کے باعث یہ نہ دیکھ سکا کہ یہ کون بزرگ تھے کہ جن کا اکرام لوگوں نے مجھ سے زیادہ کیا تو اسکے منھ سے نکل گیا" مَنْ ھٰذا"؟ یہ کون صاحب تھے لوگوں نے سن لیا اسکا چرچا ہوا۔ فرزدق خارجی نے بھی سنا انہوں نے اس جملہ کا یہ محمل لیا کہ خلیفہ نے تجاہل اور حسد سے کہا تھا کہ یہ کون ہیں؟ تو اس نے چھ شعر اس جملہ کے جواب میں کہے جن میں طنز و تضحیک خلیفہ پر اور مدح سیدنا علیؑ ہے۔

۱
ھٰذا الّذی تعرف البطحاءُ وطاتہ والبیت یعرفہ والحلّ والحرَم

(ارے یہ تو وہ شخص ہیں جن کے قدموں کو سارا صوبہ بطحا جانتا پہچانتا ہے۔ پھر یہ بیت اللہ بھی انھیں پہچانتا ہے اور حدود حرم اور خارج حرم میں سبھی انکو جانتے پہچانتے ہیں)

۲
ولیس قولکَ من ھٰذا بضائرہٖ العُربُ تعرف من انکرتَ والعجم

تمھارا یہ کہنا کہ "یہ کون ہیں؟" انھیں کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ جنھیں تم نہیں جان رہے ہو انھیں تو عرب و عجم سبھی جانتے ہیں۔

۳
ھٰذا ابن خیر عباد اللہ کلّھم ھذا التقی النقی الطاھر العلم

یہ اللہ کے نیک بندوں میں سب سے بہتر شخص (حضورؐ) کے فرزند مجازی ہیں۔ یہ پرہیزگار۔ بے داغ۔ پاک اور ممتاز و مشہور ہیں۔

یکاد یمسکہ عرفان راحتہ ۔۔۔ رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

(جب یہ طواف میں رکن حطیم کو بوسہ دینے آتے ہیں تو انکے کف دست کو پہچان کر کہیں وہ آپ کو روک نہ لے۔

اذا راتہ قریش قال قائلہا ۔۔۔ الی مکارم ھذا ینتھی الکرم

پورا قبیلہ قریش جب آپکو دیکھتا ہے تو اسکا ہر کہنے والا یہی کہتا ہے کہ کرم کا تو انکے مکارم ذات پر خاتمہ ہوگیا۔

ای القبائل لیست فی رقابہم ۔۔۔ لاوّلیۃِ ھذا اولہ نعم

وہ کون مخلوق اور قبیلہ ہے جس کی گردنوں میں خود ان کے اور انکے پہلے بزرگوں کے انعامات و احسانات نہیں ہیں۔

علامہ محب الدین خطیب مصری کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسی زمین کے بہت سے اشعار اسمیں اضافہ کر کے اسے طویل قصیدہ بنا دیا ہے وہ الحاقی اشعار در اصل کچھ تو حزین کنانی کی مدح عبد اللہ بن عبد الملک بن مروان کے ہیں۔ (دیکھو حماسہ $\frac{2}{284}$) اور کچھ قدامہ بن جعفر نے کی کتاب نقد الشعر سے لے لئے ہیں۔ (دیکھو ص ۱۹، ۲۷) ورنہ فرزدق اصل میں صرف چھ اشعار کہے تھے (حاشیہ ۲ منتقیٰ ذہبی ص ۱۶۷)۔

جود وسخا آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد باقر رحمہ اللہ (جو کربلا میں ڈھائی تین سال کے تھے (طبری ج ۱۳ ص ۹۰) فرماتے ہیں کہ میرے والد نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سارا مال لٹا دیا اور فقراء پر تقسیم کر دیا۔ آپ کی سخاوت کے سلسلہ میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ

مدینہ شریف کے اکثر گھروں میں کوئی شخص رات کے وقت جاتا اور پوشیدہ طور پر کچھ روپیہ پیسہ یا خوراک یا پوشاک دے آتا تھا۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ کون شخص ہے۔ جس دن حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا اس دن سے فقراء کی یہ غیبی امداد بند ہو گئی تب لوگوں کو گمان غالب ہوا کہ وہ چھپکر صدقہ کرنے والا اہلبیت حسینی کا ہی نامور فرزند تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کے حکیمانہ اقوال

(۱) آپ کا قول تھا کہ اللہ تعالےٰ مذنب توّاب کو پسند کرتا ہے۔

(۲) آپ کے صاحبزادے محمد کہتے ہیں کہ میرے والد فرماتے ہیں کہ مجھے خدا سے اس بات پر شرم آتی ہے کہ میں کسی مسلمان کے لئے خدا سے جنت کا سوال تو کروں مگر میں خود اسکی اعانت کے لئے زر و مال دینے میں بخل کروں۔

(۳) آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا کیا درجہ تھا؟ آپ نے ان تینوں کی قبروں کیطرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیکھ لو! شیخین رض کو حضورؐ کے قرب حضوری کا جو درجہ آج حاصل ہے وہی زندگی میں بھی حاصل تھا۔

(۴) ایک بار کچھ لوگوں نے آپ کے پاس آکر آپ کی بہت تعریف

کی وہ چپ ہوئے تو فرمایا۔ "خدا کی پناہ! تم لوگ بھی کتنے جھوٹے اور خدا پر کتنے جری ہو جو مجھے ایسا اور ایسا جانتے ہو۔ اے بھائی! ہمارے لیئے بس یہی کافی ہے کہ خدا کے فضل و عنایت سے ہم معاشرہ میں صالح سمجھے جاتے ہیں۔

(۵) ایک بار کسی شخص نے آپکو برا بھلا کہا' آپ نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اسکی بدتمیزی کیطرف سے چشم پوشی کی اس بدتمیز نے حماقت سے یہ سمجھکر کہ آپ نے میری بات سنی نہیں دوبارہ بدکلامی کی اور کہا کہ اے علیؑ! میں تمھیں کو کہہ رہا ہوں۔ آپ نے نہایت ٹھنڈے لب و لہجہ میں فرمایا۔ ہاں ہاں میں بھی تمھاری ہی باتوں سے درگذر کر رہا ہوں۔ یہ جواب سنکر وہ بہت شرمندہ ہوا۔

(۶) آپ فرماتے تھے کہ جو لوگ خدا کی سزا کے خوف سے عبادت کرتے ہیں وہ غلاموں کی طرح ہیں کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں۔ جو انعام کی لالچ میں عبادت کرتے ہیں وہ تاجر ہیں کہ نفع کے طالب ہیں۔ لیکن احرار کی عبادت شاکرین کی عبادت ہے جو خدا کی الوہیت، کبریائی اور ربوبیت کا حق سمجھ کر اسکے ادائے شکر میں کرتے ہیں خوف یا طمع سے نہیں کرتے۔

(۷) آپنے محمد باقرؑ کو وصیت کی تھی کہ پانچ قسم کے لوگوں سے بہت دور رہنا۔ بخیل۔ کذاب۔ بے عقل و سفیہ۔ قاطع رحم۔ فاسق جو ایک لقمہ کی لالچ میں تم کو بیچ دے۔

(۷ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیئے)

ازواج و اولاد

رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۱۴۸ پر ہے "واقعہ کربلا میں عمر مبارک ۲۳ سال تھی۔ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے ۹۵ھ میں وفات پائی انکی والدہ بنت یزدجرد ہیں جو عمر فاروق (؟ بغیر کسی سابقہ و لاحقہ کے) کے عہد میں اسیر ہو کر آئی تھیں زین العابدین کی نسل دنیا میں چند فرزندان - محمد باقر - عبداللہ باہر زید شہید - عمر اشرف - حسین اصغر - علی اصغر سے باقی ہے۔ دو بیٹیاں ام کلثوم و خدیجہ تھیں"۔ اور جمہرہ ابن حزم صفحہ ۵۲ پر ہے کہ آپ کے فرزند بھی چھ تھے اور آپکی دختر بھی چھ تھیں تفصیل یہ ہے۔ زوجہ اولیٰ ام عبداللہ بنت سیدنا حسن مجتبیٰ سے محمد باقر اور عبداللہ باہر اور ام ولد سے زید۔ علی۔ حسن۔ حسین۔ خدیجہ (زوجہ محمد بن عمر بن علی) عبدہ (زوجہ محمد بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر) ام کلثوم (زوجہ داؤد بن حسن مثنیٰ) ام الحسن (زوجہ داؤد بن علی بن سیدنا عبداللہ بن عباس) علیہ (زوجہ علی بن حسین بن سیدنا حسنؓ) ام الحسین (زوجہ ابراہیم

متعلق سائل کی مخاطب کو یوں بے جھجک جھوٹا کہہ دینا بظاہر سخت بد اخلاقی ہے جو اہلبیت حسینی کے اس کریم الطبع فرزند سے عجیب معلوم ہوتا ہو گا مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے بیزار ہو کر جواب دے رہے ہیں وہ یقیناً سبائی پارٹی کا آدمی تھا۔

۵۔ اس عہد کے معاشرہ میں دوسرے خاندانوں کی طرح بنو فاطمہ میں بھی یہ بات عام طور سے جاری تھی کہ کنیز ام ولد کی اولاد لڑکی یا لڑکے سے لوگ اپنے لڑکے لڑکی بیاہ دیتے تھے اس میں عار نہ سمجھتے تھے ایران سے زیادہ اختلاط کے سبب نسب کا غرور مسلمانوں میں پیدا ہوا۔

بن محمد بن علی بن سیدنا عبد اللہ بن عباس)۔

وفات آپ کی ولادت کی طرح آپ کی وفات کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ تہذیب التہذیب میں آپکی وفات ۹۳ھ میں اور آپکی عمر ساٹھ سال لکھی ہے۔ رحمۃ للعالمین دوم میں آپکی وفات کی تاریخ کا سن ۹۵ھ لکھا ہے۔ طبری ج۷ ۱۳۷ ص۹۰ نیز نسب قریش ص۵۸ میں آپ کا سن وفات ۹۴ھ ہے مگر چونکہ میرے نزدیک آپ کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی اور آپ کی عمر ۵۳ سال تھی اس لیئے صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی اسلیئے کہ دو باتیں متفق علیہ ہیں پہلی یہ کہ آپ کربلا میں ۲۳ سال کے تھے اور دوسری یہ کہ آپ کی وفات اور انس بن مالک ۔ ۔ ۔ ۔ رحمہ اللہ کی ایک ہی سال میں ہوئی اور معلوم ہے کہ حضرت انس کا سال وفات ۹۱ھ ہے رحمہما اللہ رحمۃً واسعۃ۔

آپ کی والدہ آپکی والدہ کون تھیں؟ اسکے متعلق فتنہ پردازوں نے اپنی فاسد غرض سے بہت سے جھوٹ گھڑے اور پھر انکے پروپگنڈا سکریٹریوں نے تیرہ سو برس میں اسے بے پناہ شہرت دیدی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ۱۸ھ کی جنگ قادسیہ میں عہد فاروقی میں آخری شاہ ایران یزدگرد (ایزدگرد بمعنی خدائی پہلوان) کو شکست فاش دی تو وہ خود تو چھپ چھپا کر نکل گیا مگر اسکی تین لڑکیاں گرفتار

ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے انکو فروخت کرنے کا حکم دیا مگر حضرت علیؓ نے روکا اور وہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے اسطرح تقسیم ہوئیں کہ ایک تو خود انکے صلبی فرزند حضرت سیدنا حسینؓ کو ملی اسکا نام شہربانو تھا۔ دوسری سیدنا علیؓ ہی کے ربیب حضرت محمدؒ بن ابی بکرؓ کو۔ اور تیسری حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کو ملی اور تینوں صاحب اولاد ہوئیں اور تینوں کی اولاد آپس میں خالہ زاد بھائی بہن تھے) دیکھو ابن خلکان ج ۱ ص ۳۴۰ بحوالہ زمخشری ذکر سیدنا علیؓ) اور اسی کتاب کے ص ۴۱۸ ذکر قاسم بن محمد میں بھی لکھا ہے کہ انکی ماں بھی اور علیؒ کی ماں بھی یزدگرد کی بیٹیاں تھیں" انتہی۔ مگر آپ کو یہ سنکر سخت حیرت ہوگی کہ یہ سب کچھ خالص گپ ہے۔ اس ایک قصہ میں اسکے مصنفوں نے کتنی خلاف واقعہ اور خلاف تحقیق باتیں کہیں اور پھر بے پناہ شہرت دیدی ہے۔ اسکا حال سنیئے۔

(۱) سیر الصحابہ جلد ششم میں شاہ معین الدین صاحب ندوی نے (باجود شیعوں کی طرف میلان کے) لکھا ہے کہ "بعض پچھلی کتابوں میں حضرت حسین کی "ازواج" میں ایک نام یزدگرد کی لڑکی شہربانو کا بھی ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ... زین العابدینؒ انھیں کے بطن سے تھے لیکن کسی قدیم ماخذ میں اسکا ذکر نہیں اسلئے قابل اعتماد نہیں اور یہ ایرانیوں نے سیاسی مقصد سے گڑھی ہے (ص ۲۴۹)۔

(۲) شاہ معین صاحب نے اس تحقیق کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہا ہے

اسلئے اسکے ماخذ کا ذکر نہیں کیا اور ایک مخفی باریک کید بھی رافضہ کی طرح یہ کیا کہ "اُم ولد" کو "زوج" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ یہ تحقیق شاہ صاحب کی نہیں بلکہ انکے استاد مولانا شبلی کی ہے۔ انکی عبارت کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں جسے تفصیل دیکھنا ہو الفاروق میں دیکھ لے۔ (الف) سب سے پہلے تقریباً سنہ ۵۲۳ھ میں ایک مشہور شیعی علامہ جاراللہ زمخشری معتزلی نے تفسیر کشاف میں کتاب ربیع الابرار (ابن خلکان صرف الابرار) سے اسے لکھدیا۔ زمخشری کو فن تاریخ سے واسطہ نہیں تھا (ب) زمخشری کے سوا طبری۔ ابن اثیر۔ یعقوبی بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے بھی اس واقعہ کو نہیں لکھا (یعنی یہ تاریخی واقعہ ہوتا تو ان مورخین میں سے کوئی تو اسے تاریخ میں لکھتا)۔ (ج) حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد مارا اور بھاگا تو ضرور مگر اسوقت اس کے

ؔ۔ زمخشری کو علماء اور عوام معتزلی جانتے ہیں مگر کم لوگ ہیں جو معتزلہ فرقہ کی حقیقت بھی جانتے ہوں میں نے اپنے مضمون "معتزلہ کون تھے" میں سے مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سبائیوں کا سب سے خطرناک فرقہ تھا (دیکھو رسالہ ابلاغ کراچی سنہ ۱۹۷۰ء) ایک مثال سن لیجئے:۔ اس زمخشری نے "کشاف" میں سب سے پہلے محمد بن کعب قرظی کا نام لیکر ایک نئی تفسیر لکھ ماری کہ (یوم ندعو کل اناس بامامھم) میں امام جمع ہے اُم کی۔ غرض انکی تفسیر میں شیعیت کا زہر بھی بہت ہے مگر ہمارے علماء "کشاف" کے نام پر جھومتے اور اسکے ہر قول کو صحیح سمجھتے ہیں۔

خاندان کے مرد و عورت گرفتار نہیں ہو سکے تھے اسلیئے اسوقت ان
لونڈیوں کا تقسیم ہونا بے بنیاد ہے۔ (د) عہد عثمانی (سنہ ۳۰ھ) میں
یزدگرد کے خاندان کا آخری فرد مرا ہے اسی وقت یزدگرد کے گھرانہ
کی لڑکیاں گرفتار ہوئی ہونگی (الفاروق ج ۲ ص ۱۷۲) (ہ) ۱۳ سنہ ھ میں
حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے اور اسی سن میں یزدگرد بھی بعمر سولہ سال تخت
نشین ہوا۔ جب حضرت سعدؓ نے ۱۵ سنہ ھ میں مدائن کو فتح کیا تو اسوقت
تو یزدگرد کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، بھلا اس گپ کے لچر ہونے
کی بھی کوئی حد ہے کہ ۱۸ سالہ یزدگرد کی تین بالغ لڑکیاں بھی تھیں جو
گرفتار ہو کر مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں۔ (و) پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ
کنیز سیدنا حسینؓ کو دی گئی شبلیؒ نے لکھا ہے اور ٹھیک لکھا ہے کہ
اسوقت حضرت حسینؓ کی عمر بھی تو بارہ ۱۲ سال کی تھی۔ بھلا کونسی عقل
قبول کریگی کہ ۱۲ سال کے صاحبزادے کو کنیز دیدی گئی۔ یہ تو اس گپ
کی تاریخی تحقیق ہوئی، اب اسکے اندر کے متعدد جھوٹ زرا سنیئے:۔

امر اول: ——— حضرت علی زین العابدینؒ کی والدہ کا نام
غزالہ یا سلافہ یا جیدا تھا۔ علی اصغرؒ کی اولاد سے نسل حسینؓ چلی علی اکبرؒ
سے نسل نہیں چلی۔ علی اصغر کی ماں ایک کنیز صاحب اولاد تھیں۔ ابن جریرؒ
تو کہتے ہیں کہ انکا نام سلافہ تھا مگر ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ جیدا تھا۔

(الف) مشہور شیعی مورخ ابن جریر طبری زین العابدین رحمہ اللہ کے

ہ۔ طبری ایک غالی شیعہ ہے ہمارے سنی علماء اس پر بہت اعتماد کرتے

متعلق لکھتا ہے " وعلیاً الاصغر وله العقب من ولد الحسین واما علی الاکبر فلا عقب له وام الاصغر ام ولد قال علی بن محمد کانت تدعی سلافه قال ابو جعفر ان اسمه جید ا (طبری حسینیہ مصر ج ۱۳ ص ۱۹) یعنی علی اصغرؒ کی اولاد سے نسل حسینؓ چلی۔ علی اکبر سے نہیں چلی۔ علی اصغر کی ماں ایک کنیز صاحب اولاد تھیں۔ ابن محمد تو کہتے ہیں کہ انکا نام سلافہ تھا مگر ابو جعفر کہتے ہیں کہ جیدا تھا۔

پھر یہی مورخ طبری اسی جلد کے ص ۵۸ پر لکھتا ہے " علی بن الحسین بن ابی طالب وامه غزاله ام ولد خلف علیها بعد الحسین زبید مولی الحسین فولدت له عبد الله وهو اخو علی الحسین "۔ یعنی علی بن حسینؒ کی ماں ایک باندی غزالہ نام کی تھیں علیؒ نے سیدنا حسین کی شہادت کے بعد اپنی والدہ غزالہ کو والد کے غلام زبید کے نکاح میں دیدیا۔ ان سے عبداللہ پیدا ہوئے جو

یں اس نے تاریخ میں بھی اور تفسیر میں بھی بہت سی باتیں صحیح ضرور کہی ہیں مگر وہ سب بہ تکلف تھا تقیہ کا موٹا لبادہ تھا جسے پہنکر اسے دراصل اہلسنت کے پھنسانے کے لیئے جال کو مضبوط بنانا تھا ورنہ اسکی بد طینتی اور بد زبانی دیکھنی ہو تو اسکی تاریخ کی تیرھویں جلد بغور دیکھئے سیدنا معاویہؓ کے لیئے ص ۲۴ و ص ۲۹ پر (اور ایک تیسری جگہ اور) آج بھی بد زبانی درج ہے نعوذ باللہ و قبحہ اللہ۔

زین العابدینؒ کے اخیافی بھائی تھے۔

(ب) ابن خلکان نے اپنی وفیات الاعیان میں لکھا ہے" وامہ سلافہ بنت یزدجرد اخر ملوک الفرس وھی عمۃ ام یزید بن الولید الاموی المعروف بالناقص (ج اول ص۳۲۰)۔ یعنی زین العابدینؒ کی ماں سلافہ بن یزدجرد تھیں یہ سلافہ ولید اموی کے لڑکے یزید ناقص کی ماں کی پھوپھی تھیں۔ انتہی (نوٹ) ابن خلکان نے بھی سلافہ کو جو بنت یزدجرد لکھا ہے تو زمخشری کے فریب میں آکر ہی لکھا ہے کہ وہ باندی یزدگرد کی بیٹی تھی۔ دوسرے یہ جو لکھا ہے کہ یہ سلافہ یزید ناقص بن ولید کی ماں کی پھوپھی تھیں تو یہ بھی اسے یزدگرد کی بیٹی ثابت کرنے کے لئے ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

(ج) ابن قتیبہ کی کتاب المعارف میں ہے" یقال ان امہ سندیہ یقال لہا سلافہ ویقال غزالہ خلف علیہا بعد الحسین زبید مولی الحسین (ص۹۴) یعنی کہا جاتا ہے کہ علیؒ کی ماں ایک سندھی تھیں جنکو سلافہ پکارا جاتا تھا بعض نے کہا نہیں غزالہ نام تھا۔ سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت زین العابدینؒ نے ان غزالہ پر سیدنا حسینؓ کے غلام زبید کو خلیفہ بنایا یعنی انکی زوجیت میں دیدیا۔ (جیسا اوپر طبری کے حوالہ سے بھی گذرا ہے)۔

(د) نسب قریش میں ہے جو مصعب زبیری (م ۲۳۶ھ) کی تصنیف ہے اور معتبر ہے" وعلی بن الحسین الاصغر لام ولد (جز اول ص۵۸)

یعنی علی اصغر (جنکی عمر ۲۳ سال لکھی ہے) ایک ام ولد سے ہیں۔ فقط۔
یعنی ایک تو انکی ماں سیدنا حسین کی زوجہ نہ تھیں جیسا شاہ معین الدین سمجھانا چاہتے ہیں بلکہ کنیز ام ولد تھیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ ام ولد شاہ ایران کی بیٹی ہوتیں تو نسب قریش کے مصنف اس اختصاص اور امتیاز کا اظہار ضرور کرتے۔ معلوم ہوا کہ انکی ماں یزدگرد کی بیٹی نہ تھیں بلکہ کسی غزوہ میں گرفتار شدہ لونڈی تھیں۔

امر دوم :——— بنو امیہ کے ایک خلیفہ ولید اول (۸۸-۹۵ھ) نے ۹۲ھ کے حدود میں اپنے نامور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو جب یزد گرد کے خاندان پر آخری حملہ کے لیئے روانہ کیا تو شاہی خاندان کا آخری فرد فیروز چہارم عرف مُخدج (زخم خوردہ) مر چکا تھا اسکی دو لڑکیاں گرفتار ہو کر دمشق لائی گئیں جس میں ایک کا نام شاہ آفرید تھا (جس کا ہندی ترجمہ راجکماری اور اردو میں شہزادی ہے) یہ شاہ آفرید خلیفہ ولید کے محل سرا میں داخل ہوئی۔ ولید کا ایک لڑکا یزید ناقص اسی کے پیٹ سے تھا۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ یہ باندی شاہی خاندان کی بیٹی تھی اور پھر اموی بادشاہ کے محل میں بھی آئی تو ولید نے یا کسی اور نے اسکے قبول صورت ہونے کی بنا پر اسے 'شاہ بانو' لقب دے دیا ہو گا۔ استعمال عام میں یہی لفظ ہلکا ہو کر 'شہ بانو' بنا اور پھر بگڑ کر 'شہر بانو' ہو گیا ورنہ شہر بانو ایک بے معنی اور گندہ لفظ ہے۔ کیا اُس زمانہ میں بھی 'مس ایران' 'مس انڈیا' اور 'مس انگلینڈ' قسم کے الفاظ

چلتے تھے ؛ مورخین نے اسکے اموی خلیفہ کے محل میں جانے کو توچھپایا شاید اسکے اظہار میں ذلت سمجھی ہوگی اور عزت مآبی ثابت کرنے کو اسے بنت یزدجرد کہا اور سیدنا حسینؓ کے حرم میں ہونا بتایا۔ لیکن سیدنا حسین کو عہد فاروقی میں کوئی ایرانی شہزادی نہیں دی گئی تھی دی کیسے جاتی گرفتار ہی نہیں ہوئی تھی۔ سیدنا حسینؓ سنہ ۶۱ھ میں شہید ہوئے اور یہ شہ بانو سنہ ۹۲ھ کے لگ بھگ گرفتار ہوکر آئی اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابن خلکان کا یہ لکھنا کہ وہ کسی کے ماں کی پھوپھی تھی محض مغالطہ ہے۔ شہ بانو (عرف میں شہر بانو) سنہ ۹۲ھ میں خود ولید اموی کی کنیزک تھیں اور یہ شہ بانو ایرانی تھیں اور حضرت زین العابدینؒ کی والدہ تو سندھی تھیں نہ کہ ایرانی۔

امر سوم :۔ البتہ ایک ایرانی کنیز اور تھی جو یزدگرد کی بیٹی نہیں بلکہ پوتی تھی اور عہد فاروقی میں نہیں بلکہ عہد عثمانی میں مسلمانوں نے اسے گرفتار کیا اور وہ مجاہدین میں تقسیم کی گئی۔

امر چہارم :۔ شیعی مصنفین (زمخشری وغیرہ) نے تو سیاسی اغراض سے اس فرضی شہر بانو کو یزدگرد کی بیٹی بنا کر اسے شاید عالی نسب بتانا چاہا ہے حالانکہ الاخبار الطوال میں ابو حنیفہ دینوری جو خود بھی شیعہ تھا لکھتا ہے کہ یزدگرد کے باپ شہریار نے کسی نائی کی لڑکی کو محل میں ڈال لیا تھا۔ اسی سے یہ یزدگرد تھا۔ (تحقیق مزید صفحہ ۲۶)

ھ۔ شاید ایسے ہی نسب والے کو انجب کہتے ہیں۔ ۱۲۔

تعجب ہے کہ ان لوگوں نے کیا سیدنا حسینؓ جیسے عالی نسب والا حسب بزرگوار کو ذاتی فضائل اور مناقب سے خالی سمجھ رکھا ہے کہ اس کمی کو ایک آتش پرست لونڈی کے تعلق سے اور کافر بادشاہ کی نجابت ظاہر کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ انا للہ۔ ولاحول ولا۔۔ کیا یہ سیدنا حسینؓ اور سیدنا زین العابدینؒ سے کوئی محبت ہوئی؟

تفصیل بالا غور سے دو تین بار پڑھئے اور اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیجئے کہ سیدنا علی زین العابدینؒ کا ننھیال ایران میں تھا اور یہ بھی نکال دیجئے کہ شہ بانو کی نسبت سے یا سلافہ کی نسبت سے سیدنا علیؒ کے شرف میں کوئی اضافہ ہو جائے گا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مزید اطمینان کا موجب ہوگا کہ شہ بانو کا کنیز حسینؓ ہونا اتنا غلط ہے کہ ایک فرانسیسی غیر مسلم مصنف بھی یوں لکھتا ہے "شہزادی شہربانو ایک شیعی روایت کی رو سے ... جو غالباً مستند نہیں ہے ... حسینؓ کے عقد میں آئی۔ دراصل اس روایت کا مقصد یہ ہے کہ ... حسینؓ کی اولاد کو قدیم شاہان ایران کی جلالت مقدسہ (خورنہ یا فرہ ایزدی) کا جائز وارث قرار دیا جائے"... (کتاب ایران بعہد ساسانیان ص۶۸۷ مصنفہ آرتھر کرسٹن مترجمہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ)

فصل دوم

جنگ کربلا

شرکائے جنگ اور معاصر اکابر کی شہادتوں کی روشنی میں

تمہید

شعر
کہہ سکے کون کہ "یہ فتنہ گری" کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے (غالب)

۱۔ فلسفہ تاریخ کا ایک راز تو مولانا شبلی نے اپنی کتاب "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" میں لکھا ہے وہ یہ کہ "جو واقعہ جتنا زیادہ مشہور ہوتا ہے اسی قدر غلط ہوتا ہے"۔ یعنی مختلف طبقات کے بے شمار انسانوں میں پہونچنے اور مختلف اغراض اور نظریات والوں کے دماغوں اور زبانوں سے گزرنے کیوجہ سے وہ واقعہ کچھ سے نہ معلوم "کیا کچھ" بنجاتا ہے۔ لیکن اسی فلسفہ کے چند راز اور بھی ہیں۔ مثلاً ایک

راز یہ بھی ہے کہ، کسی مسئلہ میں ایک شخص نے سب سے پہلے جو کچھ لکھدیا تو بعد کے لوگوں کو اسکی تحقیق کر کے صحیح حالات کی تلاش تو مشکل ہوتی اور بس وہی بات نقل در نقل کیے جانا ہی آسان معلوم ہوتا ہے یعنی ہر شخص کے فانوس دماغ میں روغن عقل نہیں ہوتا کہ وہ اسی بات کو زیر روایت و درایت کے بعض واضح اور موٹے ہی اصولوں سے پرکھ کر دیکھ لے تاکہ اپنا نام دانستہ یا نادانستہ (حسب ارشاد نبوی) جھوٹوں کی فہرست میں نہ لکھوا بیٹھے۔ کسی بڑے سے بڑے شخص کے بھی ہر قول کو ہر حال میں آنکھ بند کر کے تسلیم کیئے جانا اور بعض وقت تو دلیل صریح کے باوجود بھی اسے مانتے رہنا ہرگز طریق صواب نہیں۔

۳۔ اور ایک تیسرا راز اور بھی ہے وہ یہ کہ، کسی واقعہ کی تصویر کو اگر اسکے ماحول کے چوکھٹے سے جدا کر کے تنہا دیکھا جائیگا تو اسکی حیثیت اتنی بدل جائیگی کہ ایک بالکل جداگانہ منظر بن جائیگی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر واقعۂ جدید، واقعۂ سابقہ اور ماحول ہی کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک مسلسل عبارت سے ایک جملہ الگ ہونے کے بعد وہ مفہوم نہیں ادا کرسکتا جو اصل عبارت میں ہونے کے بعد ادا کرتا۔ اور جس طرح کسی جج کا صرف ایک فریق کا بیان سنکر مقدمہ کا فیصلہ سنانا فریقین کے بیان سننے کے بعد کے فیصلے سے بالکل مختلف ہوگا بلکہ بعض وقت غلط بھی ہوگا، اسی طرح درایت کا موٹا اصول یہ ہے کہ واقعہ

سنکر ماحول پر بھی غائر نظر ضرور ڈالی جائے - اس سے کسی حال میں صرف نظر نہ کیا جائے -

۴ - اور ایک چوتھا راز یہ بھی ہے کہ کسی پیچیدہ مسئلہ کے حل کا جو نظریہ ایک زمانہ کے انسانوں کو تسکین دیتا رہا ہو بعض دوسرے زمانوں کے لوگوں کے لیئے اس نظریہ کی حیثیت ایک مضحکہ خیز طفل تسلی سے زیادہ نہیں رہ جاتی -

یعنی تحقیقاتی وسائل کی کثرت اور صحت کی بدولت نئے دور میں اہل علم کی نگاہیں کچھ اس طرح عکس ریزی (ایکس x-rays) قسم کی پڑتی اور راز درون پردہ کو اسطرح واضح طور پر دیکھ لیتی ہیں جسطرح ایک غواص بڑے گہرے سمندر کی تہ میں موتیوں کو - یا رصدگاہ کا کوئی ماہر کہکشاؤں (Galaxies) کے بے شمار سورجوں کو دیکھ لیتا ہے -

اگر قیامت میں مخفی حقائق ظاہر ہونگے (اور ہمارا ایمان ہے کہ ہاں ظاہر ہو کر رہیں گے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی آنکھوں کے سامنے ہونگے اور انسانوں کے تمام اعمال بد بھی جنکو وہ اس دنیا میں بڑی ہوشیاریوں اور کوششوں سے چھپاتے رہے ہیں خدا کی قدرت اور حکم سے نہ صرف زبان خنجر اور آستیں کا ہو نکر بلکہ انسان کا ہر ہر عضو بھی زبان بنکر پکار پکار کر اپنے گناہوں کا اظہار و اعتراف کریگا تو پھر قرب قیامت میں بھی یہ خاصیت ضرور ہونی چاہیئے کہ بہت سے مسائل اپنی اصلی شکل میں وسائل تحقیق کے عموم و شیوع کے سبب ظاہر ہو کر رہیں اور

کذابوں کی تمام کوششوں پر اوس پڑ جائے اور پانی پھر جائے۔ راز اس میں یہ ہے کہ بنائے ہوئے جھوٹ میں بہت سے روزن اور شگاف رہ جاتے ہیں جن کو مختلف مسالوں سے وقتی طور پر تو بند کردیا جاتا ہے لیکن اگر لوگ جذبات اور طبعی ہیجانات و رجحانات پر ذرا قابو حاصل کریں اور ذرا غور و سکون قلب سے اوپر کا مسالہ چھڑا کر سوراخوں سے اندر جھانکنے کی زحمت گوارا کریں تو حقیقت اپنا چہرہ روشن دکھانے میں بخل نہیں کیا کرتی۔

واقعہ کربلا پر کچھ پردے تو جذبات عقیدت نے ڈال دیئے ہیں اور کچھ مزید پردے ارباب غرض کی فتنہ جوئیوں نے بڑھا دیئے ہیں پھر اسے یہود کی "دیوار گریہ" اور مجوس کی "مقدس آگ" کی طرح مختلف جتنوں سے عہد بہ عہد زندہ رکھنا اور جگائے جانا بھی چاہا ہے تو نتیجہ بھی وہی نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا کہ عوام تو عوام خواص اور علماء سب لوگ وہی کچھ سمجھنے سوچنے اور لکھنے اور سنانے لگے جو اولین جھوٹے مصنف واقعہ نے چاہا تھا۔

واقعات مشہورہ کا تأثر

جنگ کربلا کے واقعات جو مشہور کیئے اور بتائے جاتے ہیں انکا عام خاکہ اور تاثر کچھ اسطرح ہے:۔

ا۔ ۶۰ھ میں اور اس سے متصلاً قبل، ملک میں ہر طرف سکون طاری تھا کہیں کوئی پارٹی فتنہ انگیزی نہیں کر رہی تھی بس یکایک ۶۱ھ کے

شروع ہوتے ہی یزید نے ابن زیاد کو سیدنا حسینؓ پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا اور اس گورنر نے سیدنا حسینؓ پر چڑھائی کرکے انکو نہایت بیدردی سے قتل و شہید کر دیا۔

۲۔ اسوقت کے مسلمین کیا عوام اور کیا خواص سب نے تو سیدنا حسینؓ سے بیوفائی کی اور سبھی انکی شہادت کو ٹھنڈے پیٹوں دیکھتے رہے اور خاموش رہے اگر کسی نے ان سے وفا اور محبت کا برتاؤ کیا ہے تو بس صرف ان کوفی میزبانوں نے کیا ہے جنھوں نے آپ کو مکہ سے بلایا یا پھر ان جاں نثاروں نے کیا جو آپ کے ساتھ مکہ سے تقریباً ستّر کی تعداد میں لگے چلے آرہے تھے۔

۳۔ بعد شہادت بھی بجز مختار ثقفی کے کسی کو انتقام حسینؓ کے لئے اٹھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اب ظاہر ہے کہ "نہایت قاضی ردی راضی آئی" واقعہ کو جب اس رخ سے دیکھا سنا جائیگا تو قتل کا جرم و الزام بجز یزید اور ابن زیاد کے کسی دوسرے پر آہی نہیں سکتا اور اسوقت کے عوام تو عوام خواص (یعنی وہ تمام صحابہؓ جنکا یزید کی جانشینی میں مشورہ تھا مثلاً حضرت سیدنا معاویہؓ سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور جو صحابہؓ و تابعین یزید کی فوج یا حکومت میں تھے مثلاً حضرت نعمان بن بشیرؓ وغیرہ یا جو یزید کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے مثلاً حضرات سیدنا عبداللہ بن عمر فاروقؓ۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور تقریباً ستّو صحابہؓ۔ اسیطرح اسوقت جتنی امہات المومنین

ازواج مطہرات نبوی موجود نہیں) ان سب کے بارے میں نہایت بری رائے قائم ہوتی ہے اور انکی دیانت بلکہ انکے ایمان تک میں شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور چونکہ اس واقعۂ ہائلہ کے بانیوں اور اسکی پہلے پہل تاریخ لکھنے والوں کا مقصد اور منشا بھی یہی تھا کہ صحابہؓ کی محبت اور ان پر سے اعتماد عام مسلمانوں کے دلوں سے کم ہو اور کسی طرح ان پر سے امان و اطمینان اٹھ جائے اس لیے ماننا پڑے گا کہ بحکم ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه وہ لوگ اپنی اس کوشش میں پورے کامیاب ہوئے۔ لیکن اگر اس واقعہ کی ایک ہی بات (مثلاً سیدنا حسینؓ کے داعیوں اور میزبانوں کی سیرت) کو ذرا اس دقیقہ رس نگاہ سے دیکھا جائے جس سے نجاشی شاہ حبشہ نے مشرکین مکہ سے کچھ استفسارات کر کے ہجرت حبشہ کی اصل و جڑ ڈھونڈھ نکالی تھی تو صحیح بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ مشرکین مکہ سے نجاشی نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ کیا مکہ کے ان مدعی نبوت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ رہا ہے یا کسی اور نے بھی دعوائے نبوت کیا تھا؟ اسی طرح اگر اس واقعۂ کربلا کے بانیوں کے بارے میں جو سیدنا حسین کے میزبان اور داعی تھے ہم ذرا درایت کو کام میں لا کر اسکا کھوج لگائیں کہ کیا ان کوفیوں نے یا انکے پیشروؤں نے اس سے قبل تو ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا جس سے انکی اس دعوت حسینؓ میں یا ان کے عام کردار میں کوئی شبہہ کیا جا سکے؟ تو اسکے جواب میں اتنا تو سن ہی لیجئے کہ ہم کو سیدنا حسینؓ

کے ان بلانے والوں کے طریق کار میں اور اس سے قبل باغی ٹولی (الفئۃ الباغیہ) کے متعددسیہ کارناموں کے طریق کار میں بیحد مماثلت بلکہ مشابہت بلکہ وحدت ملتی ہے (تفصیل آگے آتی ہے)۔ اسیطرح بقیہ ایک دوسرے اہم سوال کا جواب بھی مجملاً یہ ہے کہ اول تو عوام و خواص مسلمین کے پندرہ آدمیوں نے حضرت حسینؓ کو عین ہمدردی میں کوفہ جانے سے منع کیا تھا، قسمیں دلائی تھیں، کوفہ والوں کے سابق کارنامے یاد دلائے تھے، شہید ہو جانے کا غالب احتمال پیش کیا تھا۔ مگر حضرت حسینؓ کسی طرح نہ مانے اور تقدیر الٰہی کی طرف ازخود کشاں کشاں گئے۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کو سفر کوفہ میں آپکی ایذا رو شہادت کا احتمال و اندیشہ تو ضرور تھا مگر یقین کسی کو بھی نہ تھا۔ اور کوفہ پہنچنے پر بھی طرفین سے گفتگو ہوتی رہی اور دو تین بار تو معاملات خیریت کے ساتھ طے ہونے کے قریب بھی آچکے تھے کہ اچانک جنگ چھڑ گئی بلکہ چھیڑ دی گئی اور بقول طبری ذبیحہ کے کھلانے اور دوپہر کو قیلولہ کرنے کے برابر وقت (یعنی کوئی ایک گھنٹہ) میں جنگ چھڑی بھی اور ختم بھی ہو گئی۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

اسلئے بجز افسوس اور انا للہ پڑھنے کے اس قتال فتنہ و بلوہ میں مخلص عوام و خواص کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ ہمعصر اکابر اسلام نے اصلی مجرمین و قاتلین کربلا کو تو متعین کر لیا اور انکو برا بھی کہا تھا یزید وغیرہ کو اکابر میں سے کسی نے بھی مجرم نہیں کہا۔ ہاں ابن مطیع یزید کو

برا کہتے تھے مگر اپنے اغراض سے نہ کہ سیدنا حسین رضؓ کے قتل کا مجرم بناکر۔ اسکے بعد انتقام حسین کے لیے کسی کے نہ اٹھنے کی وجہ بھی یہ تھی کہ کسی نے اسپر ایسے شرعی حکم کا عقلی موقع نہیں دیکھا۔ لسان نبوت کے بتلائے ہوئے "ایک کذاب" مختار ثقفی کے اٹھنے کو انتقام حسینی کیلئے سمجھنا تو اپنی عقل اور دینداری سے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے قدیم ترین مورخ ایک مفسد گروہ (الفئۃ الباغیہ) کے افراد تھے انھوں نے اپنی اغراض شامل کر کے اسے پہلے لکھا تھا۔

اب انصاف سے کہیئے کہ ان کلیدی باتوں کا لحاظ شہادت حسین رضؓ کی کس کتاب میں کیا گیا ہے؟ مگر کیا عوام اور کیا خواص ان باتوں کو تو کوئی سوچنا بھی نہیں چاہتا ہ

"اُنھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا"
کہ ابن سعد و یزید و ابن زیاد "اُس شہ" کے قاتل تھے

بہرحال احقر نے کوشش کی ہے کہ اسطرح کلیدی سوالات کے محور پر کلام کروں اور اس واقعہ کی تصویر کو معاصر اکابر اسلام کی شہادتوں کی

ع۵۔ ارادہ تو یہی تھا کہ دو چار صفحات میں جنگ کربلا کے واقعات لکھکر ختم کر دونگا مگر اسے شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ کچھ مہربانوں کی ریشہ دوانیوں نے معاملہ کو کتنا پیچیدہ کر دیا ہے اور اسمیں ایک بحث کو صاف کرنا اور بقیہ کو ویسی ہی پیچیدہ و تاریک چھوڑ دینا نہ تو مجھ سے ممکن تھا اور نہ ملت کیلئے مناسب کہ اہلسنت کی ایسی ہی سہل انکاریوں اور

روشنی میں جیسی میں سمجھ سکا ہوں، بلکہ اس عہد کے ماحول کے واقعات کی روشنی میں جو تصویر ثابت ہوتی ہے اسی طرح پیش کردوں اور اسکی بھی کوشش کی ہے کہ نہ تو کسی محترم شخص کا کردار بلند اخلاقی اور عقلی و شرعی نقطۂ نظر سے ادنیٰ درجہ میں بھی مجروح ہونے پائے نہ کسی عام شخصیت کو غیر صحیح و غیر ثابت مناقب کے ذریعہ بلند کیا جائے۔

اب یہ کہ میں اپنی ان کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں تو اسکا فیصلہ منصف ناظرین کرینگے۔ آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ میں خود تو اس کوشش پر خدا سے ثواب آخرت کی امید بھی کرتا ہوں۔ اب

یہ چشم پوشیوں ہی سے تو ایک سادہ واقعہ آج طلسم ہوشربا بنکر رہ گیا ہے۔ اسلئے ضروری بحثوں پر مجبوراً کچھ مفصل کلام کرنا ہی پڑیگا۔ اسکے علاوہ آج کے جویائے تحقیق ذہنوں کی رعایت بھی پیش نظر تھی، اس لئے یہ فرسودہ واقعات بحمد للہ آج پہلی بار نئے اسلوب نئی ترتیب نئے دلائل اور نئے استدلال سے پیش کر رہا ہوں۔ بعض طبائع کو یقیناً یہ معیاری تحقیق اور صحیح بیانات ہی غلط معلوم ہونگے اور وہ اپنی پرانی ہی تحقیق کو صحیح سمجھیں گے تو میں انکی توجہ نفسیات کے اس نکتہ کیطرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جسے مولوی اسمٰعیل میرٹھی نے ایک ملمع کی ہوئی انگوٹھی کی زبان سے سچی انگوٹھی کیلئے یوں کہا ہے ؎

میری سی چمک اس میں نہ میری سی دمک ہے
چاندی ہے کہ ہے رانگ مجھے اس میں بھی شک ہے

حق تعالیٰ ہی اسے قبول فرمائیں اور امت کے لئے اسے نافع بنائیں۔ آمین۔

اس رسالہ میں ترتیب بیان اسطرح ہوگی کہ ہم

۱۔ پہلے تو مختصر سے مختصر طور پر جنگ اور شہادت کربلا کے واقعات مشہورہ میں سے چند اہم واقعات اسطرح بیان کرینگے کہ واقعات کا ایک مختصر مگر مسلسل خاکہ پیش نظر ہو جائے اور اسمیں مروج نظریات اسباب جنگ اور نتائج جنگ بھی بیان ہونگے۔

۲۔ اسکے بعد ان پر عقل سلیم اور ہمعصر اکابر اسلام کے ارشادات کی روشنی میں نقد و جرح و اعتراضات کر کے عقلاء سے استفسار کرینگے کہ آخر ان اعتراضات و شبہات کا کیا جواب دیا جائے۔ یہ بیان ذرا طویل اور بہ تفصیل ہوگا مگر اس سے قبل ایک تمہید ہوگی جسمیں علماء اہلسنت کا موقف اور انکے تسامحات کا ذکر ہوگا۔

۳۔ اسکے بعد واقعہ کربلا کی صحیح تصویر پیش کرینگے جسمیں اعتراضات و شبہات کا حل ہوگا۔

۴۔ اس کے بعد ایک خاتمہ میں متعلقات کربلا کی کچھ علمی بحثیں ہونگی اور بس۔

۱۔ جنگ کربلا کے مسلسل و مختصر واقعات مع اسباب و نتائج

۱۔ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کے پاس بھی اواسط سنہ ۴۰ھ میں کہلا بھیجا تھا (بدایہ نہایہ ج ۷ ص ۳۲۲) کہ "آخر یہ مسلمانوں کا خون کب تک بہتا رہیگا"؟ یعنی مجھ سے صلح کر لیجئے مگر سبائیوں میں گھرے رہنے کی وجہ سے وہ صلح نہیں کر سکے۔ انکی شہادت (رمضان سنہ ۴۰ھ) کے بعد جب سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے تو پہلے سیدنا معاویہؓ ہی نے انکے پاس بھی پیغام صلح بھیجا (بخاری شریف جلد اول ص ۳۷۳ باب الصلح)۔ چونکہ انکو بھی سبائیوں نے حضرت علیؓ کی طرح پریشان رکھنا چاہا (بلکہ مقام ساباط میں سیدنا حسنؓ پر قاتلانہ حملہ بھی کر دیا جس سے وہ بحفاظت الٰہی محفوظ رہے) اسلئے وہ ان عراقیوں سے متنفر ہو گئے۔ ابتدا میں تو وہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کیلئے فوج لیکر ہی چلے تھے مگر سیدنا معاویہؓ کا پیغام صلح سنکر بعد غور سیدنا حسنؓ نے صلح کر لینا ہی پسند کر لیا کیونکہ سیدنا علیؓ بھی انکو حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے کی ہدایت کر گئے تھے۔ یہی وہ سرداری کی شان تھی جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حسنؓ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح

کرادیگا۔ غرض سیدنا معاویہ نے سادہ کاغذ اپنے دستخط کرکے سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجدیا کہ آپ اسپر جو شرائط صلح چاہیں لکھدیں مجھے سب منظور ہے۔ صلح نامہ مرتب ہوا طرفین کے دستخط ہوئے پھر امیر معاویہؓ کو کوفہ کی جامع مسجد میں بلاکر سیدنا حسنؓ نے اس صلح کا اعلان عام کیا اور اسکی توثیق کے لئے سب کے سامنے خود بھی امیر معاویہؓ کی بیعت کرلی اگرچہ حضرت حسینؓ نے بھی بیعت کرلی تھی مگر یہ صلح سیدنا حسینؓ کو کچھ پسند بھی (۵) اور کوفہ کی باغی ٹولی کو تو اتنی ناپسند تھی کہ ایک بدتمیز نے آکر سیدنا حسنؓ کے منھ ہی پر کہدیا "یا مُسَوِّدَ وجوہِ المسلمین" (اے مسلمانوں کے منھ میں کالک لگانیوالے) دوسرے نے آکر روبرو کہا یا مُذِلَّ المسلمین (اے مسلمانوں کی ذلت کرانیوالے)

۵۔ میرے نزدیک حضورؐ کا حضرت حسنؓ کو سید کہنا نسل و نسب کی علامت مقرر کرلینے کیلئے نہیں تھا بلکہ آپنے سید کہکر انکی طبعی و اخلاقی سیادت کی علت اور ثبوت کے طور پر کہا تھا کہ دو گروہوں میں صلح کرادینا ہی سیادت ہے لوگوں نے اسے علامت نسب بنالیا۔ ع ۵۔ دونوں بھائیوں کے مکالمہ سے صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ سیدنا حسینؓ کہتے تھے کہ گھر میں آئی ہوئی خلافت چلی جائے اور یہ کہ یہ صلح حضرت سیدنا علیؓ کے طریقہ کے بھی خلاف ہے۔ سیدنا حسنؓ زیادہ سمجھدار تھے وہ اس صلح کو پسندیدہ رسولؐ جانتے تھے۔ انھیں سیدنا علیؓ کی وصیت یاد تھی اور خلافت کو اپنے لئے "نعمت المرضعۃ و بئست الفاطمہ" جانتے تھے (یعنی ملنے کا مزہ تو شیر مادر کی طرح دل پسند مگر چھوٹنے کا مزہ سخت تلخ)۔ ۱۲۔

۲- حضرت معاویہؓ بیس سال تک شام کے کامیاب گورنر دعامل رہ چکے تھے انکی بردباری، نرمی اور سیاسی وجنگی قابلیت ایسی تھی کہ جس پر سیدنا عمر جیسے روشن ضمیر خلیفہ کو بھی اعتماد تھا۔ پبلک نے بھی انکو اسی کے مطابق پایا۔ پھر اس صلح سے تو تمام قلمرو اسلامی کے لوگوں کو ایسی قلبی راحت اور مسرت ایسا سکون ملا کہ سب نے اس سال کا نام "عام الجماعت" رکھدیا بلکہ اب تک جو لوگ باہم لڑ رہے تھے وہ گلے ملے، دشمن، دوست ہوگئے حریف حلیف بن گئے۔ فوجیوں کے جسم سے ہتھیار جو اب تک جدا ہونے کا نام نہ لیتے تھے اب اتر گئے۔ لوگوں کی فکریں جو آپس کی خونریزی میں کام کر رہی تھیں اب ملت کی بہبود اور دین کی اشاعت اور جہاد میں لگنی شروع ہوئیں اور ملکی نظم ونسق نہایت حسن وخوبی سے چلنے لگا اور اسیطرح ملک بڑھتی ترقی کرنے لگا اور اس شان سے سیدنا معاویہؓ نے بیس سال تک خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے بھی نہایت شاندار کام کیا۔

آخر ۲۶ رجب ۶۰ھ کو امت کو منظم ومجتمع، ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن اور رفضا کو ساکن چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ جنت الفردوس کو سدھارے۔ انا للہ ورضی اللہ وارضاہ۔ وفات کیوقت سیدنا معاویہؓ نے خدا کے حضور میں دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا کہ "خدایا اگر میرا یزید کو خلیفہ بنانا نفس کیلئے ہے تو اسے چلنے نہ دے اور اگر تیرے لئے ہے تو اسے کامیاب بنا۔" (   )

۳- حضرت معاویہؓ کی حیات ہی میں کوفہ کی باغی ٹولی نے سیدنا حسینؓ کے پاس خطوط بھیجنے شروع کئے تھے کہ آپ امیر معاویہؓ کی بیعت توڑ دیجئے۔ ہم سب

اتنے ہزار آدمی آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں"۔ آپ نے جواب دیا کہ ان (امیر معاویہؓ) کے جیتے جی تو ہم بیعت نہ توڑیں گے البتہ انکے بعد امیر غور کیا جائیگا انکی وفات کے بعد جب اہل کوفہ نے پھر بہ اصرار بلایا تو چونکہ وہ خلافت چاہتے تھے اسلئے انکا دل اس بلاوے کیطرف جھکا مگر کوفہ والوں کے سیاہ کارنامے خود بھی انکو ڈرا رہے تھے اور چودہ پندرہ آدمیوں نے بھی حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کیا تھا۔ آخر اس کشمکش میں انھوں نے حزم اور دور اندیشی سے ایک ایک درمیانی راہ نکالی کہ پہلے خود نہ گئے، بلکہ مسلمؓ بن عقیل کو یہ کہکر بھیجا کہ تم جاکر کوفہ والوں کا رنگ ڈھنگ، حال چال غور سے دیکھو اور پھر مجھے لکھو اگر اسوقت میں مناسب سمجھونگا تو آؤنگا۔ اور کوفہ والوں کو بھی لکھا کوفہ والے بھلا ایسا موقع ہاتھ سے کیوں جانے دیتے مسلم کے پہونچتے ہی انکی خوب آؤ بھگت کی اور دیکھتے دیکھتے بارہ ہزار آدمیوں نے حسینؓ کے لئے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

۴۔ کوفہ کی باغی ٹولی کی سازشیں اور حکومت کے خلاف یہ حرکتیں برابر ہی گورنر کوفہ (حضرت نعمانؓ بن بشیر صحابیٔ رسولؐ) کو معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ اب خواہ حکومت کے مخبروں نے اطلاع دی ہو اور خواہ اسی باغی ٹولی نے جاکر جاسوسی کی ہو گورنر نے اہل کوفہ کو تنبیہ بھی کردی کہ "اپنے امام و بادشاہ کی مخالفت نہ کرو، سازشیں نہ کرو، ورنہ میں سختی سے پیش آؤنگا" (تاریخ ملت سوم) ایک کوفی نے خود یزید کو بھی لکھ بھیجا کہ "یہاں کوفہ میں آپ کے خلاف دوسروں کے ہاتھ پر بیعت لی جارہی ہے حضرت نعمانؓ نرم ہیں ان سے معاملات سدھر

نہیں سکتے کسی سخت آدمی کو یہاں بھیجئے"۔ یزید نے اس اطلاع پر ابن زیاد کو گورنر بنا کر بھیجا تو کوفہ والوں ہی نے اسکا استقبال ان الفاظ سے کیا" السلام علیک یا ابن رسول اللہ" گویا نئے گورنر کو بڑی ہوشیاری سے اطلاع دیدی کہ ابن رسول اللہ حسینؓ یہاں آرہے اور ہم انکے ہمدرد و منتظر ہیں۔ غرض مسلم نے بھی سیدنا حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا کہ کوفی آپ کے مشتاق و منتظر ہیں، بارہ ہزار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، آپ ضرور آئیے۔

۷۔ حضرت حسینؓ یہ خط پاکر کوفیوں کی وہ تمام شرارتیں بھول گئے جو کوفیوں نے دوسرے اکابر کے ساتھ یا خود سیدنا علیؓ کے ساتھ کی تھیں۔ اور سیدنا علیؓ کو آخر شہید کر دیا یا سیدنا حسنؓ پر پہلے قاتلانہ حملہ کیا اور آخر میں

لہ۔ اہل کوفہ کی اس حرکت میں بنی اسرائیل کی اس تکنیک کی صاف جھلک نظر آتی ہے جو انھوں نے عہد فرعون میں دکھائی تھی کہ ایک یہودی سے ایک مصری لڑا، حضرت موسیٰؑ نے مصری کو ایک گھونسا مارا وہ مرگیا یہ قتل خفیہ تھا اور اسے پوشیدہ ہی رہنا چاہئے تھا مگر دوسرے ہی دن وہی یہودی پھر کسی مصری سے لڑ گیا جب حضرت موسیٰ نے پھر یہودی کی مدد کرنی چاہی تو اس یہودی نے شور مچا کر گزشتہ اتفاقی قتل کا راز خود ہی فاش کر دیا۔ اس یہودی کی منافقت کا یہ رویہ تو اپنے محسن پیغمبر حضرت موسیٰ کے خلاف تھا یہاں پیغمبرزادے سیدنا حسینؓ کے ساتھ ہوا۔

ٹہ ان باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسینؓ کے دل میں حکومت کے حصول کی خواہش ضرور تھی۔ ۱۲

سازش کرکے ایک بیوی سے انھیں زہر دلادیا تھا) ۔ غرض سیدنا حسینؓ باغی ٹولی کے ان بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ جو آپ کو ساتھ لے چلنے کیلئے مکہ میں ٹھہرے ہوئے اور آپ کو ہر وقت گھیرے ہوئے بہکاتے رہتے تھے (باوجودیکہ ۱۴، ۱۵ ہمدردوں نے طرح طرح سے منع کیا) آخر کوفہ کی طرف روانہ ہو ہی گئے ۔ تقدیر الٰہی کا یہ بھی ایک کرشمہ تھا ؎

حسن جب مقتل کیجانب تیغ براں لیچلا عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لیچلا

۸ ۔ نئے گورنر نے مسلم کی بیعت کرنے والوں پر سختی کی ۔ مشتبہ لوگوں پر کڑی نگرانی رکھی ۔ ایک شخص کو سازش میں شریک دیکھکر پکڑا ۔ اسکی گرفتاری کی اطلاع جب مسلم نے پائی تو دہ بارہ ہزار ہمایعین کو لیکر گورنر کے محل پر حملہ کرنے چل پڑے ۔ ابن زیاد نے انکو عمائد کوفہ ہی کے ذریعہ دھمکایا تو سارے کوفی بجز چند کے مسلم کو حکومت کے مقابل چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے بغاوت کے جرم میں مسلم ۳ ذی الحجہ کو قتل (شہید) کردیئے گئے ۔ قتل سے قبل مسلم نے انسپکٹر جنرل پولیس سیدنا عمرؓ کو (جو رسول اللہؐ کے ماموں حضرت سعدؓ کے بیٹے تھے) کہا کہ تم ہمارے رشتہ دار ہو ہمارے دو کام کردینا ایک تو ہمارا قرض ادا کردینا اور ایک یہ کہ حسینؓ کو لکھ بھیجنا کہ اب وہ کوفہ

لہ یہ پالیسی حضورؐ کے زمانہ میں ابن اُبی منافق یہودی نے کی تھی اسکے بعد سبائیہ نے اس پر عمل شروع کیا ۔ یہی پالیسی یہاں کی پھر آگے چل کر حضرت زیدؓ کے ساتھ کی جس پر انھوں نے ھم رفضونا ”کا تاریخی جملہ فرمادیا تھا جس سے اس قوم کا نام رافضی پڑا ۔

آپکا ارادہ نہ کریں یہاں کے لوگ دھوکہ باز ہیں۔" مسلم بن عقیل گویا حضرت حسینؓ کے سولھویں ناصح تھے کہ کوفہ کا سفر نہ کریں (یہاں یہ بات نہ بھولیئے کہ مسلم بن عقیلؓ حضرت ابن سعدؓ سے کس اعتماد وثوق اور محبت سے کہہ رہے ہیں کہ میرا قرض ادا کر دینا۔ یہ بات کوئی اپنے دشمن سے کبھی نہیں کہتا)۔

۹۔ سیدنا حسینؓ ابھی شاید نصف ہی سفر طے کر چکے تھے کہ ابن سعدؓ کا قاصد مسلم کے قتل اور کوفیوں کے دھوکہ دینے کی خبر لیکر آپ سے ملا آپ نے رفتار حالات پر غور کیا آخر فیصلہ یہ کیا کہ "جب بیعت کرنے والے ہی دھوکا دے جائیں اور بیوفائی دکھائیں کہ حکومت کے دباؤ پر انھوں نے میرے وکیل مسلمؓ کو قتل ہونے کے لیے چھوڑ دیا تو وہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرینگے اسلئے اب کوفہ کا ارادہ بالکل فسخ۔ اب مجھے واپس ہی چلا جانا چاہیئے۔" یہ سوچکر آپ نے واپسی کا ارادہ کیا کوفی قاصدوں نے جب یہ دیکھا تو باتیں بنا کر پھر کوفہ چلنے کیلئے آپکی خوشامدیں کیں کہنے لگے "نہیں آپ کوفہ ضرور چلیے مسلم کی بات دوسری تھی کوئی خاص بات ہی رہی ہو گی جو بیعت کرنے والے مسلم کی مدد نہ کر سکے ہونگے۔ آپ کے لئے تو ہم سب بھی اور سب کوفہ والے بھی جان دیدینگے۔"

ادھر مسلم کے بھائیوں نے نہ معلوم کس اثر کے ماتحت یہ عجیب و غریب جملہ کہا کہ "مسلم آپ ہی کے کہنے سے تو وہاں گئے تھے اب انکے قتل ہونے پر آپکو انکا قصاص بھی لینا چاہیئے۔ اگر آپ قصاص نہیں لینا چاہتے تو خیر، آپ واپس چلے جایئے ہم تو بغیر قصاص لئے رہینگے نہیں۔" ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ انھیں کوفی قاصدوں نے انھیں یہ سکھا پڑھا دیا تھا۔ ورنہ آئندہ کسی موقع پر انکو قصاص یاد نہ آیا نہ حکومت سے قصاص لینے کے کوئی معنی ہیں۔ یہ طعنہ حضرت حسینؓ برداشت نہ کر سکے اور کوفی قاصدوں کے سخت اصرار اور برادران مسلم کے طعن پر (عقل وضمیر کے فیصلہ کے خلاف) پھر کوفہ کی طرف[۵] چلے۔

۱۰۔ حکومت کو منٹ منٹ کی خبریں پہونچ رہی تھیں۔ حضرت حسینؓ کوفہ کے قریب پہونچے تو حرؔ وغیرہ بعض (پولیس یا فوج کے) افسر بعض ہدایات و پیامات لیکر آپ کے پاس دو ایک بار آئے گئے۔ سیدنا حسینؓ سے کچھ گفتگوئیں ہوئیں۔ آپ سے اور ابن سعدؓ سے جو آپ کے نانا تھے کئی بار مشورے ہوئے۔ سیدنا حسینؓ نے ان سے ظاہر بھی کردیا کہ کوفہ والوں نے مجھے خطوط لکھکر اور وفود بھیجکر بلایا تھا اب اگر انکو اور آپ کو اور حکومت کو میرا یہاں رہنا پسند نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں[۵] یا تو مجھے مکہ و مدینہ واپس جانے دیجئے یا مجھے کسی سرحد پر دور جانے دیجئے یا پھر مجھے دمشق لے چلئے کہ میں خود یزید سے گفتگو کروں پھر اگر میں ضرورت دیکھونگا تو اسکی بیعت[۶] بھی کرونگا

۵۔ یہاں پھر سیدنا حسینؓ کا وہ حکومت کی طرف میلان صاف نمایاں ہو جاتا ہے۔

۶۔ جنکے دلوں میں روگ ہے وہ حضرت حسینؓ کے بیعت یزید کے ارادہ کو چھپاتے اور اسکا انکار کرتے ہیں حالانکہ جید مورخین نے اسکو تسلیم کیا ہے۔ ابن اثیر ۲۲/۴ اصابہ ۱۷/۲ طبری ۲۲۵/۶ البدایہ ۱۷۳/۸ تاریخ الخلفاء ۱۴۰ راس الحسین ص ۲۰۔

۱۱۔ مگر ابن زیاد گورنر نے سیدنا حسین رضؓ پر دباؤ ڈالا کہ میں آپ کو اسوقت تک کہیں آنے جانے نہ دونگا جب تک کہ آپ امیر یزید کے لیئے میرے ہاتھ پر یہیں بیعت کر لیجئے۔ سیدنا حسین رضؓ کو یہ صورت گوارا نہ تھی مگر حکومت کا دباؤ بڑھنے لگا' اس نے آپ کے لشکر والوں پر قریب سے بہنے والے دریا کا پانی بھی بند کر دیا اور بہت بہت سختیاں کیں۔ آپ کے ساتھی مقابلہ پر تل گئے تو جنگ ہوئی جو دو تین دن جاری رہی۔ ابن زیاد کی فوج میں ہزاروں کوفی اور شامی سپاہی تھے چنانچہ میر انیس نے کہا ہے. ع

جسوقت طبل جنگ بجا فوج شام میں

اور ادہر صرف ۷۲ نفوس' آپکے شیر خوار بچے کو تیر مار کر شہید کر دیا۔ آپکے رشتہ دار بھی اور کوفہ کے قاصد بھی آپ کی طرف سے خوب خوب لڑے اور بقول طبری تقریباً ۷۸ آدمی سیدنا حسین رضؓ کے شہید ہوئے اور ۸۸ آدمی ابن زیاد کے مارے گئے۔ ابن زیاد کے لشکر نے سیدنا حسین رضؓ کے اور انکے ساتھیوں کے جسموں کو گھوڑوں سے روندا' خیمے لوٹے' خواتین کے سروں سے برقعے نوچے' آپ کے سر مبارک کے ساتھ گستاخی کی نیزوں پر اٹھایا' خواتین اور بچوں کو گرفتار کر کے دمشق بھیجا

۱۲۔ شہادت حسین رضؓ کے بعد کوفہ کے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہی لوگ جنھوں نے سیدنا حسین رضؓ کو اصرار کر کے بلایا تھا مثلاً سلیمان بن صُرد صحابی' نجبہ فزاری وغیرہ کئی سو آدمی اپنے گناہ پر نادم ہو کر رونے اور خدا سے توبہ کرنے لگے' اور انھوں نے عرصہ تک جماعتی شکل میں توبہ کی اس جماعت

کا نام توابین تھا۔

۱۳۱۔ واقعۂ کربلا (۱۰ محرم ۶۱ھ) کے سوا چار سال بعد اور امیر یزید کی موت (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) سے ایک سال بعد ربیع آخر ۶۵ھ میں یہی توابین پانچ ہزار کی تعداد میں کوفہ کے مشہور انقلابی لیڈر سلیمان بن صردؓ کی سرکردگی میں انتقام حسین کا نعرہ لگاتے ہوئے نخیلہ میں جمع ہوئے۔ کچھ دنوں تک تو سلیمان کی یہ جمعیت قوت پکڑتی رہی کہ اچانک ایک کذاب شخص مختار ثقفی جس کے بارے میں حضورؐ نے "کذاب ثقفی" کی پیش گوئی کی کوفہ آیا اور اس نے اپنے کو محمد بن حنفیہ (محمد ابن سیدنا علیؓ) کا وزیر ظاہر کر کے الگ جماعت بنائی آخر اس نے ابن حنفیہ کی طرف سے جعلی خط بنا کر سلیمان کو بھی اور اسکی پانچ چھ ہزار جمعیت کو بھی اپنے ساتھ ملا کے اپنا ماتحت بنا لیا۔ پھر مالک اشتر کے بیٹے ابراہیم کو بھی ملا کر مزید قوت حاصل کر لی۔ اسکے پیش نظر تو حکومت حاصل کرنا تھا مگر اس نے

ے انکا نام یسار اور کنیت ابو مطرف تھی (طبری ص ۵۹۳) میں ہے کہ یہ صحابی تھے پھر سیدنا علیؓ کیطرف سے صفین میں لڑے سیدنا حسینؓ کو کوفہ بلانے والوں میں یہ بھی تھے اور جب وہ کوفہ آئے تو یہ انکے ساتھ نہیں لڑے (ترک تقاتل معہٗ) اسکے بعد سلیمان نجبہ فزاری نے کمیٹی کر کے کہا کہ اب ہماری توبہ کی کوئی صورت بجز اسکے نہیں کہ ہم اب انکے انتقام میں جان دیدیں تو نخیلہ میں چار ہزار آدمی ابن زیاد کے مقابلہ میں پھر جمع ہوئے تو حصین بن نمیر نے تیر مارا اور یہ بعمر ۹۳ سال مارے گئے سزا از سرج :۔ یہ بھی حجر بن عدی کی طرح صحابیت کے شرف سے گرے اور سیدنا حسینؓ کے قتل کا سبب بنے بعد میں توابین کا لبادہ اوڑھ کر فتنہ پھیلانے لگے)

انتقام حسین کو آڑ بنا کر فتنہ پھیلایا اور یکے بعد دیگرے شمر ذی الجوشن۔ عمرو بن سعد - ابن زیاد - حصین بن نمیر کو اور دوسرے دس بارہ آدمیوں کو قتل کرادیا- پھر ایک کرسی کو کرسئ علیؓ کہکر مسلمانوں کو فریب دیا پھر نبوت کا دعویٰ کیا آخر قتل کیا گیا۔

خلاصہ :- واقعات کربلا کی یہ روئداد پڑھکر فی الواقع ذہنوں میں اسکے اسباب ونتائج کے بارہ میں حسب ذیل نظریے راسخ ہوکر جم جاتے ہیں۔

۱- یزید نااہل بددین تھا- ایسے لوگ نیکوں کے دشمن ہوتے ہی ہیں اسلئے امیر یزید خود اور اسکے اثر سے اسکی حکومت کے عہدیداروں (مثل ابن زیاد وغیرہ) کو بھی سیدنا حسینؓ سے للّٰہی بغض تھا اسلئے یہ جانگداز واقعہ پیش آیا۔

۲- امیر یزید کو سیدنا حسینؓ سے پشتینی عداوت اور خاندانی رقابت بھی تھی- ان سے قبل امیر معاویہؓ بھی سیدنا علیؓ سے جنگ کرتے رہے تو اسمیں بھی یہی عداوت کام کر رہی تھی۔ پس جنگ کربلا کا اصل مجرم یزید اور اصل سبب پشتینی عداوت ہے۔

۳- حضرت معاویہؓ نے اسلامی قانون کے خلاف اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد بادشاہ بنانا چاہا اور اسکے لئے حکومتی سطح پر دباؤ اور اثر سے کام بھی لیا، حالانکہ یزید بدکار تھا اور اسکے مقابلہ میں سیدنا حسینؓ بادشاہی کے زیادہ مستحق بلکہ نواسۂ رسولؐ اور فرزند علیؓ ہونے کے باعث جائز وارث تھے- سیدنا حسینؓ کو ہر دلعزیز پاکر یزید انکو اپنی راہ کا کانٹا سمجھ رہا تھا اسلئے اسنے انکو شہید کراکے اپنا راستہ صاف کر لینا چاہا۔

۴ - ابن زیاد گورنر نے حکومت کی ایماء پر جنگ میں پہل کی اور بے شمار کوفی اور شامی فوج لیکر سیدنا حسین رضؓ کے مختصر قافلہ پر چڑھ دوڑا اور نہایت ظالمانہ اور جابرانہ انداز سے انکو اور انکے ساتھ بہت سے مسلمانوں کو شہید کردیا اور پسماندگان کے ساتھ نہایت خلاف انسانیت سلوک کر گذرا وغیرہ وغیرہ -

اس میں شک نہیں کہ موجودہ داستان کا تار و پود سب سے پہلے تاریخ لکھنے والوں نے کچھ بنا ہی اس انداز سے ہے کہ اب تک امت کی بڑی تعداد (عوام تو ایک طرف رہے ماضی و حال کے اصحاب علم اور ارباب فتوی بھی) اسی ترتیب واقعات کو صحیح سمجھتے رہے اور اطمینان قلب سے یزید کو پلید کہتے اور اسے مورد لوم و لعن اور مستحق نفرت جانتے رہے اور جانتے ہیں - مگر ایک سلیم العقل مفکر تاریخ اور عمرانیات کا ایک طالبعلم

؎ - یزید اموی کی طرف سے کچھ اس طرح کی شدید نفرت پھیلادی گئی ہے کہ اب بڑے بڑے سنیوں کی بھی ہمت نہیں رہ گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کا نام یزید رکھ سکیں - حالانکہ بہت سے صحابیوں اور بہت سے تابعیوں کا نام یزید تھا - جنگ بدر میں چھ صحابی یزید نام کے شریک تھے جنمیں سے ایک (سیدنا یزید رضؓ بن حارث اوسی) شہید بھی ہوئے انکے علاوہ سیدنا حسن مجتبی کے ایک صاحبزادے کا نام بھی یزید تھا (دیکھو الشہید المسموم خود سیدنا حسین رضؓ کے بھی ایک صاحبزادے کا نام بھی یزید تھا (دیکھو تاریخ الائمہ طبع لکھنؤ مصنفہ سید وزیر حسن) ایک مسلمان کے لئے ان بزرگوں کی یادگار میں نام رکھنا مسرت اور برکت کی بات ہے

جو استدلال و استنباط کا صحیح ذوق اور جذبہ بھی رکھتا ہو ان واقعات کو اس طرح سننے کے بعد ان پر حسب ذیل شبہات یا جرحیں بھی کر سکتا اور علماء اور اہل تاریخ سے اپنی تسکین قلب کیلئے ان سوالات کے جوابات اور حل چاہتا ہے۔

شبہہ (۱) سنتہ ہی ہیں امت مرحومہ کا اور ان میں بھی خصوصاً ان ڈیڑھ دو سو صحابہؓ رسولؐ کا کردار کتنا پست تھا کہ ابھی وفاتِ رسولؐ کو صرف پچاس (اور چوتھے خلیفۂ رسول کو صرف بیس) ہی برس گزرنے پائے تھے کہ اتنا بڑا سانحہ گزر گیا امت رسولؐ ہی کی ایک جماعت نے نواسۂ رسول کو شہید کیا مگر بقیہ عام امت اور عام مسلمان بھی اور خاص مسلمان یعنی ڈیڑھ دو سو صحابۂ رسول اور امہات مومنین بھی سب کے سب بالکل خاموش رہے انھوں نے نہ تو نواسۂ رسولؐ کا ساتھ دیا نہ انکا انتقام لیا نہ پبلک کے کان پر جوں رینگی کہ عام ہیجان ہی اٹھتا اور واقعۂ کربلا کے متصلاً بعد ہی یزید کو۔ ابن زیاد کو شمر وشمولی کو تہ تیغ کر کے محبت رسولؐ کا مخلصانہ تقاضا پورا کیا جا سکتا۔ ان صحابہؓ میں بھی خاص کر حضرت عمرو بن سعدؓ پر سخت تعجب آتا ہے کہ خود رسولؐ کے ماموں زاد بھائی اور سیدنا حسینؓ کے نانا بھی تھے پھر بھی یزید کی طرف سے نواسہ سے لڑنے آئے تھے۔ اسی طرح شمر پر بھی تعجب ہے جو سیدنا حسینؓ کا سوتیلا ماموں ہوتا تھا اور شاید سب سے زیادہ اسی نے ابن زیاد کو ابھارا اور ورغلایا تھا کہ حسینؓ پر سختی کر کے ان سے اپنے ہاتھ پر بیعت لے لو تب

کہیں جانے کی اجازت دو۔

یزید اموی جسکے شرابی کبابی فاسق و بدکار ہونے کی داستانیں بقول شخصے تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں جب اسکے مقابلہ میں سیدنا حسینؓ نے اقدام کیا تو ظاہر ہے "احیارِ معالم دین" جہاد دینی ہی کے لئے یہ اقدام ہوا ہوگا اب اس مبارک کام میں بھی امت کے مذکورہ لوگوں نے اگر ساتھ نہ دیا تو بس تعجب ہی ہے۔ سب سے زیادہ حیرت تو اسپر ہے کہ جن سے سیدنا حسینؓ کا خون ملا تھا جن میں سیدنا علیؓ ہی کا خون رچا تھا "احیار معالم دین" جیسے مبارک کام میں بھی اکثر لوگ انمیں سے الگ رہے حضرت علیؓ کے اٹھارہ بیٹوں میں سے صرف پانچ، حضرت حسنؓ مجتبیٰ کے متعدد بیٹوں میں سے صرف دو، حسینؓ کے چچا جعفر طیارؓ کی اولادیں سے بھی صرف دو۔ اولاد عقیل میں سے چار نے رفاقت کی۔ بقیہ نے نہ جنگ میں مدد کی، نہ بعد میں کی انا للہ۔ یہ انکا اسلام وایمان کیسا تھا کہ حسینؓ پر قربان ہونے سے جان چرا لی اور انکا اخلاق اور صلۂ رحمی کیسی تھی کہ رشتہ دار کا ساتھ نہ دیا، شاید خون کا سفید ہوجانا اسی کو کہتے ہیں۔ حاصل شبہہ یہ ہے کہ کیا بنو ہاشم کے ان چند افراد سے اور دو سو صحابہؓ سے اس کردار کو تسلیم کرلیا جائے؟

شبہہ (۴) اور شاید ان سب سے زیادہ حیرت انگیز کردار خود سیدنا حسینؓ کے صاحبزادے سیدنا علیؓ اصغر عرف

---

۵ یہ پرشوکت الفاظ شاہ معین الدین ندوی کے ہیں۔ سیر الصحابہ ششم ذکر حسینؓ میں۔

عابد بیمار۔ سجاد۔ زین العابدین) رحمہ اللہ کا ہے کہ ۲۳ برس کے جوان تھے
بقول طبری گھوڑے پر سوار ہو کر چلتے تھے (یہ عبارت آگے آرہی ہے) اور
کربلا میں انھوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے والد محترم دوش نبوی کے
سوار، جنتی جوانوں کے سردار سیدنا حسینؓ کی مظلومانہ، بیکسانہ شہادت
خواتین محترم کے ساتھ یزیدیوں کی گستاخی اور بے حرمتی بھی دیکھی اس
سب کے بعد بھی وہ اسی ظالم یزید کی دعوتیں کچھ عرصہ تک بخوشی کھاتے
رہے۔ خود مورخ طبری شیعی لکھتا ہے " وکان یزید لا یتغدیٰ
ولا یتعشّیٰ الا دعا علی بن الحسینؓ الیہ" (جلد ص ۲۶۵) یعنی امیر یزید
حضرت علی ابن حسینؓ کو ساتھ لئے بغیر نہ دن کا کھانا کھاتے اور نہ رات کا"
اسکے علاوہ نقدی وجنسی نذرانے و تحفے بھی بخوشی قبول کرتے رہے اور
پھر اسی ظالم قاتل کی انھوں نے بخوشی بیعت بھی کرلی اور اسپر مرتے دم تک
ایسے قائم رہے کہ مختار ثقفی نے جب چار سال بعد انتقام حسینؓ کی ہمت
کی تب بھی آپ نہ اسکے ساتھ ہوئے نہ اسکی ہمت افزائی کی نہ ظالم یزید
کی بیعت توڑی۔ اسی طرح ابن زبیرؓ کا بھی ساتھ نہ دیا اور بیعت یزید پر قائم
رہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے امیر یزید کے بعد مسلسل مروان
عبدالملک اور ولیدین اور اموی بادشاہوں کا زمانہ بھی پایا اور ان
سب کی بیعتیں بھی بخوشی قبول کی اور اسپر مرتے دم تک قائم رہے (انا اللہ)

اینکہ می شنوم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

حاصل شبہہ یہ ہے کہ جب بیت نبوی کے یہ گرامی یادگار اور سیدنا حسینؓ

کے یہ نامور فرزند ہی اپنے والد کے قاتل سے یہ معاملہ رکھیں تو ہم بقیہ ساری امت کا کیا شکوہ کریں؟ اور یزید کو اہلبیت حسینی کا دشمن کس بنا پر سمجھیں؟

شبہہ (۳) لیکن حیرت اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جب تاریخ کے متواتر بیانات سے ہم کو یہ خبر ملتی ہے کہ ہاشمیوں نے واقعہ کربلا کے بعد بھی مسلسل سولہ، سترہ ہاشمی لڑکیوں اور لڑکوں کی شادیاں بنو امیہ (اسی ظالم گھرانہ) کی لڑکیوں اور لڑکوں سے بے تکان کر دیں اور شہادت حسین رضؓ کا مطلق لحاظ نہ کیا؟ گویا دونوں خاندانوں میں رنجش کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

امویوں اور ہاشمیوں کی باہم قرابتیں

(الف) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کی قرابتیں

۱۔ رملہ بنت سیدنا علیؓ ____ کا نکاح معاویہ بن مروان اموی سے ہوا۔

(جمہرہ ابن حزم ص۸۵)

۲۔ خدیجہ ____ کا نکاح عامر بن کُریز اموی سے ہوا۔

(جمہرہ ص ۶۸) اور نسب قریش میں ابو السنابل عبدالرحمٰن بن عبداللہ عبشمی سے نکاح ہونا بتایا ہے (ص ۴۶ عبشمی سے مراد امیہ ہی کے دوسرے بھائیوں کی اولاد)۔

۳۔ دختر (نام معلوم نہ ہو سکا) کا نکاح عبدالملک بن مروان سے ہوا

(البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۶۹۔ جمہرہ ص ۳۸)۔

(ب) سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد۔

۴- نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کا نکاح ولید اموی سے ہوا (خلافت معاویہؓ و یزید ص۲۴۳ بحوالہ عمدۃ المطالب لکھنؤ ص۴۴)۔

۵- زینب بنت حسن مثنیٰ ابن حسن کا نکاح ولید بن مروان اموی مذکور سے ہوا (جمہرہ ص۸۰۔ نسب قریش ص۵۲)

۶- ام قاسم کا نکاح سیدنا عثمانؓ کے پوتے مروان سے ہوا (جمہرہ ص۳۷)

۷- حمادہ کا نکاح اسمٰعیل اموی سے ہوا۔ (جمہرہ ص۱۰۱)۔

۸- خدیجہ بنت حسینؒ بنت حسنؒ کا نکاح انہیں اسمٰعیل اموی سے ہوا (جمہرہ ص۱۰۱)۔

۹- فاطمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ کا نکاح عبدالملک بن مروان سے ہوا

۱۰- ام کلثوم بنت حسینؒ بن حسنؒ کا نکاح اسمٰعیل بن عبدالملک اموی سے ہوا۔ (نسب قریش ص۵۱)۔

۱۱- دختر (نام لامعلوم) کا نکاح معاویہ بن مروان سے ہوا۔ (جمہرہ ص۸۰)

۱۲- ابراہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کا نکاح رقیہ صغریٰ بنت خالد اموی سے ہوا (جمہرہ ص۸۳)۔

(ج) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد

۱۳- سکینہ بنت حسینؓ کا نکاح ثانی مروان اموی کے پوتے اصبغ سے ہوا (نسب قریش ص۵۹۔ جمہرہ ص۹۷۔ معارف ابن قتیبہ ص۹۴)۔

۱۴- سکینہ بنت حسینؓ کا نکاح ثالث سیدنا عثمان غنیؓ کے پوتے زید اموی سے ہوا (معارف ص۹۳۔ جمہرہ ص۹۳۔ نسب قریش ص۵۹)۔

۱۵- فاطمہ بنت حسین کا نکاح سیدنا عثمان غنیؓ کے دوسرے پوتے عبداللہ اموی سے ہوا (جمہرہ ص۷۶۔ نسب قریش ص۵۹)

۱۶- ربیحہ (ربیعہ) بنت سکینہ کا نکاح مروان کے پوتے عباس اموی سے ہوا (نسب قریش ص۵۹)

۱۷- اسحاق (علی اصغر کے پوتے) کا نکاح سیدنا عثمان غنیؓ کی پرپوتی عائشہ سے ہوا (جمہرہ ص۴۷۔ نسب قریش ص۴۷)

۱۸- حسن (علی اصغر کے پوتے) کا نکاح مروان کی بیٹی خلیدہ سے ہوا (جمہرہ ص۵۲۔ نسب قریش ص۴۷)۔

(د) دیگر قرابتیں

۱۹- ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر کا نکاح خود امیر یزید سے ہوا تھا

۲۰- عباس علمدار بن علی کی پوتی نفیسہ کا نکاح یزید کے پوتے عبداللہ اموی سے ہوا (نسب قریش ص۱۳۱۔ جمہرہ ص۶۶)

۲۱- (دختر ابو ہاشم عبداللہ (امام شیعہ) بن محمد حنفیہ کا نکاح سعید بن عبداللہ بن عمرو بن سعید بن عاص اموی سے ہوا (جمہرہ ص۶۶)۔

مجھ پر ان حالات کے انکشاف سے کچھ عجیب اثر ہوا۔ مجھے اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی طبع جویا کے ذوق تجسس پر جھنجھلاہٹ سی پیدا ہونے لگی کہ کھود کرید کرکے اور ان واقعات کو معلوم کرکے خواہ مخواہ کی الجھن اپنے سر مول لے لی، کیوں نہ میں نے بھی عام مسلمانوں کی طرح محرم کے ڈھول تاشوں، شربت اور تباشوں اور ماتم و تعزیہ کے تماشوں ہی میں دل کا سکون اور

قلب کا اطمینان حاصل کر لیا ؟

شبہہ یہ ہوا اور الجھن یہ ہونے لگی کہ الہٰی! ہم ان ٹھوس واقعات کا یزید کی مشہور عام دشمنی حسینؓ و اہلبیت حسین کے ساتھ جوڑ کس طرح لگائیں اگر ہم ان واقعات نکاح کو صحیح مانتے ہیں تو مشہور عام واقعات عداوت غلط ٹھہرتے ہیں اور اگر اسکی عداوت کو صحیح مانتے ہیں تو ان ٹھوس واقعات کو غلط ماننا پڑتا ہے۔

شبہہ (۴) اغیار و اقربا کے اس سلوک کو دیکھنے اور اس پر حیرت کر چکنے کے بعد جب ہم خود سیدنا حسینؓ کے خیالات و حالات پر غائر نظر ڈالتے ہیں تو زبان قلم کو نہ کچھ کہتے ہی بنتا ہے اور نہ چپ ہی رہتے بنتا ہے کیونکہ سیدنا حسینؓ سیدنا علیؓ کے ساتھ کوفہ میں (سنہ ۳۶ھ سے وسط سنہ ۴۰ھ تک) چار برس رہ چکے تھے اور کوفیوں کی مسلم دشمنیاں اور نافرمانیاں دیکھ چکے تھے ابن وقاص اور سعید گورنروں کو بدنام کرنے کی کوششیں سن چکے تھے اور سیدنا علیؓ امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ پر قاتلانہ حملے ہونے اور سیدنا علیؓ کے کوفہ والوں سے زچ ہونے اور بالآخر شہادت پا جانے کی خبریں دیکھ اور سن چکے تھے۔ سیدنا حسنؓ پر بھی قاتلانہ حملہ کا حال دیکھا تھا اور حضرات علیؓ و حسنؓ کیلئے سَوَّدَ اللہُ وجہہ اور مسود وجوہ المسلمین کے گستاخانہ کلمات بھی سنے تھے، اس سب کے بعد بھی انھیں کوفیوں کی دعوت پر ایک تو یہ کہ لبیک کہا (یعنی پہلے مسلم کو بھیجا پھر خود گئے) دوسرے یہ کہ وہ

پندرہ سولہ خیر خواہوں کی ممانعت، ہمدردی اور منت سماجت سننے کے بعد بھی انہیں فریبی کوفیوں سے بیعت لینے اور انکے بل پر حکومت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ تیسرے یہ کہ سیدنا حسینؓ خود ہی مکہ مدینہ سے چڑھ کر کوفہ تشریف لے گئے اور حکومت کے خلاف اپنے لئے خفیہ بیعت لینا شروع کر دیا۔ گویا انھوں نے اپنے محترم نانا، صاحبؐ جی خاتم الانبیاء، مقتدیٰ اعظم، سرور عالم، صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف اقدام کیا۔ حضورؐ نے اجتماعیات کا یہ قانون بنایا اور مسلمانوں کو اس کا پابند بنایا تھا کہ "من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشُقّ عصاکم او یُفرّق جماعتکم۔ فاقتلوہ" (مسلم) یعنی جو شخص تمہارے پاس (بیعت لینے) ایسے وقت آئے جب تم سب مسلمان کسی ایک امیر پر متفق ہو کر زندگی گزار رہے ہو اور وہ آنیوالا تم مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا یا تمہاری اجتماعی طاقت میں تفریق ڈالنا چاہتا ہو تو اسکی گردن اڑا دو۔ (اور فرمایا) "من اراد ان یفرق ھٰذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف۔ کائنا من کان" (مسلم) جو شخص اس امت میں تفریق ڈالنا چاہے درحالیکہ امت مجتمع ہو چکی ہو تو تم سب اسے تلوار سے مار دو چاہے وہ کوئی بھی (اور کسی درجہ کا بھی) ہو (مسلم شریف)۔

پس شبہہ یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ امور کے پیش نظر سیدنا حسینؓ کا اقدام کرنا سخت تعجب خیز ہے واقعات مشہورہ کو صحیح مانا جائے تو ان واقعات کی روشنی میں (اللہ معاف کرے) یہ اقدام خود ہلاکت میں پڑنے کے مرادف

معلوم ہوتا ہے۔ اگر یزید کے حاکموں (ابن زیاد۔ ابن سعد۔ نعمان بن بشیر) نے کوفہ سے لشکر کشی کر کے مکہ مدینہ جا کر یزید کے ایما پر سیدنا حسینؓ کو شہید کیا ہوتا تب تو انکی زیادتی انکی سفاکی اور حسینؓ دشمنی اظہر من الشمس تھی اسوقت یزید کے ظالم اور پلید ہونے میں شاید ہی کوئی شک کرتا۔ لیکن ایک تو یہ کہ مکہ سے خود سیدنا حسینؓ ہی یزید کے خلاف قوت جمع کرنے اور اسے معزول یا قتل کرنے کوفہ اور کربلا گئے تھے اور دوسرے یہ کہ سیدنا حسینؓ کو تو (یزید کے بغیر علم و ایما کے) غالباً ابن زیاد نے قتل کر دیا تھا پھر بھی یزید ہی کو برا کہے جانا اور اس رائے پر جزم رکھنا مجھے تو کچھ قرین صواب معلوم نہیں ہوتا۔

ایک اہم توضیح یہاں ایک بات کا اظہار ضروری ہے کہ اس امر میں اختلاف بتایا جاتا ہے کہ یزید کا تسلط کامل ہو چکا تھا یا نہیں بعض نے کہا سیدنا حسینؓ کی رائے اور اجتہاد میں اسوقت تک اسکا تسلط کامل نہیں ہوا تھا یعنی ابھی وہ وقت نہیں آنے پایا تھا جس وقت کسی دوسرے شخص کا طلب حکومت کے لئے اٹھنا اور اپنے لئے بیعت لینا شرعاً منع ہو اور جس وقت کسی اٹھنے والے کو حضورؐ نے قتل کر دینے کا حکم دیا ہے اسلئے سیدنا حسینؓ اٹھے تھے۔ لیکن دوسرے تمام صحابہؓ کی رائے و اجتہاد میں اسوقت یزید کا تسلط کامل ہی تھا اسلئے کہ سیدنا معاویہؓ کے تسلط کے تمام اور کامل ہونے میں تو سیدنا حسینؓ کو بھی شبہہ نہیں تھا۔ بس وہی تمام اور کامل تسلط امیر معاویہؓ سے امیر یزید کو منتقل ہو گیا تو تسلط

کے تمام اور کامل ہونے میں شبہہ کیا ہے اور اختلاف کیوں کیا جائے؟ انتقال تسلط تک کوئی خاندان تھوڑا ہی تبدیل ہوا تھا کہ امیر یزید کے از سر نو تسلط پانے اور اسکے تمام ہونے میں کچھ دیر لگتی اور اس درمیانی فاصلہ میں کوئی وقت کسی کے لئے جواز خروج کا نکل سکتا۔

شبہہ (۵) یہ اقدام حسینؓ تو بقول بعض" احیار معالم دین" کے لئے اور بقول طبری خدا کے حلال کو حرام اور بالعکس ہوتے دیکھکر غیظ دینی میں تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم مقصد کے لئے روانگی کے بعد واپسی از روئے قرآن حرام دگناہ ہے مگر جب ہم سیدنا حسینؓ کے ایسے مجاہدانہ اقدام میں خود سیدنا حسینؓ کے وہ الفاظ یاد کرتے ہیں جو انھوں نے کوفہ و کربلا پہونچکر متعدد بار، نہایت واضح، غیر مبہم الفاظ میں عمرو بن سعد اور حُر وغیرہم سے کہے تھے تو ہماری سمجھ میں اس اقدام کی مذکورہ اغراض کسی طرح نہیں آتیں۔

ہم یہاں سیدنا حسینؓ کے وہ الفاظ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی تاریخ ملت سوم سے نقل کرتے ہیں جنہیں بقول انکے" واقعات قدیم و جدید معتبر اور مستند تاریخوں کی بنیاد پر نہایت کاوش و تحقیق سے جمع کیے گئے ہیں" جسمیں واقعات کا یہ حصہ غالباً کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۱۵ تا ۲۶ سے لیا گیا ہے۔

۱۔ (ھنٹ) حُر کے ساتھ پہلی نماز ظہر پڑھنے کے بعد آپنے حُر کے لشکر سے فرمایا "میں تم لوگوں کے بلانے ہی سے یہاں آیا ہوں تم نے خطوں میں لکھا قاصدوں سے کہلا کر بھیجا کہ یہاں آیئے اور ہماری امامت قبول کیجئے۔ اب بھی اگر تم

اپنے بیان پر قائم رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر میں چلوں اور اگر میرا آنا ناگوار ہو تو اپنے وطن کو لوٹ جاؤں۔ یہ ہے پہلا واضح اور اور غیر مبہم بیان خود سیدنا حسینؓ کا گویا اب میں اس "احیاء معالم دین" سے باز آتا ہوں۔

۲۔ (ص ۷۰، ۷۱) جب حُر نے کہا کہ میں تو آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے چلنے پر مامور ہوں تو آپ نے اسوقت بھی فرمایا "یہ تو نا ممکن ہے" پھر اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ حر نے مزاحمت کی"۔ یہ ہے دوسرا واضح ارادہ وعمل اس واجب فعل سے پیٹھ پھیرنے کا۔

۳۔ (ص ۷۳) پھر نینوی میں حر نے آگے بڑھنے سے روکدیا اور عمرو بن سعد چار ہزار سپاہیوں کو لے آئے اور سیدنا حسینؓ سے پوچھوایا کہ آپ کس لیے یہاں آئے ہیں؟ آپ نے ابن سعد کے پاس کھلا بھیجا کہ "مجھے اہل کوفہ نے خطوط لکھے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لائیے کہ آپکے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی۔ حر نے بھی واپس نہ جانے دیا۔ اب تم میرے قریبی رشتہ دار ہو مجھے چھوڑ دو کہ مدینہ واپس چلا جاؤں"۔ یہ ہے تیسرا بیان اس جہاد سے منہ موڑنے کا اور یہ بات (کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے مجھے امام بنا کر میری بیعت توڑ دی) سیدنا حسینؓ حکومت کے ایک افسر سے فرما رہے ہیں سخت قابل حیرت ہے گویا آپ کا یہ مطلب تھا کہ حکومت بھی سن لے کہ میں بیعت لیکر اسکا تختہ الٹنے آیا تھا (اور مجھے تو اسمیں بھی شک ہے کہ سیدنا حسینؓ

نے ایسا خلاف واقعہ جملہ "ہمارا کوئی امام نہیں" کہا ہوگا)۔

۴۔ (ص۲۳۵) جب سیدنا حسینؓ نے ابن سعد سے کہا کہ اچھا ہم دونوں اپنے لشکروں کو یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلکر زبانی معاملہ طے کریں تو ابن سعد نے کہا ابن زیاد میرا گھر کھدوا پھینکے گا اسوقت بھی سیدنا حسینؓ نے یہی فرمایا تھا کہ "اچھا تو مجھے اپنے وطن واپس جانے دو یا کسی اور طرف نکل جانے دو پھر حالات جو کچھ فیصلہ کریں" یہ چوتھا بیان ہے اسکا کہ میں تسلط یزید کو دفع اور رفع سے باز آیا تم ہیں لوگ مجھے روکے ہوئے ہو ورنہ میں کب کا اس میدان سے نکل گیا ہوتا۔

۵۔ (ص۲۷۹) صبح شہادت آپ نے کوفیوں کی فوج سے کہا کہ تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ پھر آپ نے کچھ کوفی سربرآوردہ لوگوں کے نام پکارے کہ کیا تمھیں نے مجھے نہیں بلایا۔ انھوں نے جواب دیا نہیں ہم نے تو نہیں بلایا۔ تو آپ نے اسوقت بھی آخری بار یہی فرمایا "اب اگر تمھیں میری آمد ناپسند ہے تو مجھے اپنی پناہ گاہ کی جگہ واپس جانے دو"

یہ پانچواں واضح بیان ہے کہ میں اپنے پہلے عزم کو توڑتا ہوں اور کافی غور کے بعد اس واجب عمل کو بھی جس کا میں نے پہلے ارادہ کیا تھا اب اپنے دماغ سے نکالتا ہوں (اور واقعی آپ نے کہ اسوقت کے سید العارفین تھے جب دیکھا کہ اب جان دینے کے مطلوب شرعی ہونے میں شبہہ ہے تو آپ نے جان دینا پسند نہ کیا)۔

انھیں واقعات کو طبری (ج ۶ ص۲۳۷ پر) یوں لکھتا ہے:۔

(قال ابو مخنف، واما ما حدثنا به مجالد بن سعید والصعقب بن زهیر الازدی وغیرهما من المحدثین فهو ما علیه جماعة المحدثین قالوا انه قال اختاروا منی خصالا ثلاثا اما ان ارجع الی المکان الذی اقبلت منه واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویه فیری فیما بینی وبینه واما ان تسیرونی الی ای ثغر من ثغور المسلمین شئتم فاکون رجلا من اهله لی ما لهم وعلی ما علیهم۔

(ابو مخنف کہتا ہے) اور وہ بات جو ہمیں مجالد بن سعید اور صعقب بن زہیر ازدی وغیرہ محدثین نے بتائی ہے تو وہ جماعت محدثین کا اجماعی قول ہے کہ انھوں نے (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے) فرمایا اچھا تو میری تین باتیں مانو۔ یا تو میں وہیں چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں (یعنی مکہ مدینہ) یا میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں (بیعت کروں) کہ وہ میرے اور اپنے درمیان کے معاملے میں جو مناسب سمجھے کرے۔ یا پھر مجھے مسلمانوں کی جس سرحد پر تم بھیجنا چاہو بھیجدو کہ میں بھی وہاں کا ایک باشندہ سمجھا جاؤں، میرا نفع انکے نفع میں اور میرا نقصان انکے نقصان میں ہو۔ انتہی

(انتباہ) اسکے بعد ہی طبری نے عقبہ بن سمعان کی روایت بھی (جو مذکورہ روایت کے خلاف ہے) لکھدی تاکہ معاملہ کو الجھا دے اور تحقیقی فیصلہ مشکل ہو جائے اور امت ہمیشہ اختلاف ہی میں پڑی رہے۔ حالانکہ طبری مذکورہ روایتِ مجالد بن سعید کو خود بھی ایک جماعت محدثین کی روایت تسلیم کرتا ہے افسوس بہتیرے اہلسنت بھی طبری کی اس چال میں آ گئے۔ ع

یہ امت روایات میں کھو گئی

دشمنانِ دین کے فریب کا کمال یہ ہے کہ تاریخ میں تو یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی

یزید سے بیعت پر آمادہ ہو گئے تھے مگر ہمارے اکابر کا خیال ہے کہ سیدنا حسین رضؓ کے نزدیک یزید کو معزول کرنا واجب تھا۔ انا للہ

شبہہ (۶) سیدنا حسین رضؓ جس درجہ کے بزرگ تھے وہ ان کے اہل عصر کو بھی معلوم تھا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ وہ مکہ سے ایک ظالم حکومت کو ہٹانے اور مظالم کو رفع کرنے کے مقدس کام سے تشریف لیجا رہے تھے اور یہ عمل غالباً جہاد فی سبیل اللہ ہی ہو سکتا ہے پھر وہ کچھ چھپ چھپا کر بھی نہیں جا رہے تھے، سوال یہ ہے کہ ایسے بزرگ کو ایسے نیک کام سے خود حرمین کے ذیل کے صحابہ رضؓ وغیرہم پندرہ آدمیوں نے منع کیوں کیا تھا؟ وہ حضرات یہ ہیں:۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضؓ۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضؓ۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضؓ سیدنا ابو سعید خدری رضؓ۔ سیدنا ابو واقد لیثی رضؓ۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہم عبداللہ جعفر۔ محمد بن الحنفیہ۔ ابن مطیع۔ ابن سعید۔ عمرو بن عبدالرحمن فرزدق خارجی محب اولاد رسول۔ منزل ثعلبیہ کا ایک مسافر۔ عمرو بن سعد کا قاصد۔ ابن زیاد گورنر۔

اب شبہہ اور تعجب یہ ہے کہ اتنے مخلصین اور اکابر صحابہ رضؓ کی مخالفت کے بعد بھی سیدنا حسین رضؓ کی روانگی کوفہ کا کیا جواز ہے؟ اور اس امر کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں کہ جب بلانے والے مشہور و بدنام غدار اور دھوکے باز بھی ہوں اور جب قدرت نے آپکو شہادت سے قبل ایک غیبی اشارہ سے اس ہولناک نتیجہ کی اطلاع بھی دیدی ہو پھر بھی

آپ کو اپنے ارادوں پر اصرار ہی رہا۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "سیدنا حسینؓ قصر بنی مقاتل سے چلے تو دو تین بار ایسا ہوا کہ آپ کو گھوڑے ہی پر کچھ غنودگی آگئی آپ کا سر مبارک جھک جھک پڑا اور آپ ہر بار بیدار ہو کر انا للہ و الحمد للہ پڑھتے تھے، یہ دیکھکر سیدنا علی بن حسینؓ (زین العابدین) اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے اور خود بھی انا للہ والحمد للہ پڑھکر پوچھنے لگے والد صاحب یہ آپ انا للہ کیوں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا مجھے جھپکی آئی تو میں نے ایک سوار کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ ادھر جا رہے ہیں اور موت انکی طرف آرہی ہے، تو میں سمجھ گیا کہ یہ ہمکو ہماری خبر مرگ دی جا رہی ہے۔" انتہی۔ اس غیبی اشارہ کے بعد اب یہ تقدیر خداوندی ہی تھی کہ اسکے بعد بھی سیدنا حسینؓ نے کوفیوں پر اعتماد کیا۔ کیا عقل سلیم کے نزدیک پھر بھی جرم یزید ہی کا نکلتا ہے؟

شبہہ (۷) یزید کی برائیوں کی فہرست کافی طویل ہے۔ اور تیرہ چودہ صدیوں سے تعزیہ و علم اور ڈھول تاشہ کے لاؤڈ اسپیکروں پر اسکو مسلسل دہراتے رہنے سے وہ بہت عام بھی ہے مثلاً (۱) وہ شراب پیتا تھا (ابن مطیع داعی ابن زبیرؓ) (۲) اس نے سیدنا حسینؓ و دیگر ذریت طاہرہ کو قتل کا حکم دیا، اور اسپر خوش ہوا

۵۔ اس جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکا بیمار ہونا محض گپ ہے وہ خاصے تندرست تھے (مرتب)

(تفتازانی) (۴) اس نے حرم مدینہ کی بے حرمتی کی کہ تین دن تک سبکو خوف زدہ کیا وہاں قتل و غارت کیا اور عورتوں کی آبرو ریزی کی (سیوطی رح) اس نے بیت اللہ پر گولہ باری کر کے اور غلاف کعبہ کو جلا کر حرم مکہ کی بیحرمتی کی (تفتازانی)۔ (۵) اس نے خدا کے حلال کو حرام (و بالعکس) بنادیا (طبری بروایت ابو مخنف) انہیں وجوں پر یزید کو امت نے بھی ہر زمانہ میں دل کھولکر بہت برا کہا جو بظاہر بجا ہی معلوم ہوتا ہے اور انہیں وجوہ سے سیدنا حسینؓ اور سیدنا ابن زبیرؓ بھی زور و شور سے اسکے خلاف جنگ کو اٹھے تھے پھر بعد کے بعض اکابر علماء نے بھی دل کھولکر یزید کی برائی کی یہ دیکھکر ہر مسلمان کو ایک بار غصہ آتا اور اسکو برا ماننا پڑتا ہم نے بھی اسکی برائی کرنی چاہی مگر جب ہم نے ایک طرف یہ دیکھا کہ اگر ہم بھی برائی کریں تو اسکی برائیوں کے ذخیرہ پر ایک شمہ بھی اضافہ نہ کر سکیں گے اور دوسری طرف ہم نے انھیں مروجہ کتب تاریخ میں اسی یزید کا ذکر ایسے اچھے الفاظ میں بھی پایا جنکو مدح و تحسین (بلکہ بعض جگہ ذب و دفاع) کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے تو ہم کو سخت تشویش ہوئی اور اہل تاریخ کی اس دورنگی کا کوئی حل ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ جب دل بہت الٹنے لگا تو اقبال رح کا یہ مصرع بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ ع۔

"الٰہی آپ کے ہم سادہ دل بندے کدھر جائیں

بالآخر اپنے اکابر اہلسنت کی برکت سے ہمارے ضمیر نے تاریخ کی اس

دورنگی اور بے بسی کی صورت میں ذیل کے علمی و عقلی راستہ پر چلنے کی ہدایت کی

۱۔ قرون ثلاثہ کے جو خیر القرون تھے، عوام کے خیالات اور معاشرت کے حالات کا دیکھنا اور صحابہ رضؓ وتابعین کے معتبر اقوال پر اعتماد کرنا زیادہ قرین عقل ہے، اسلئے اسکے بارہ میں صحابہ رضؓ کے اقوال تلاش کرنا چاہیئے۔

۲۔ فن جرح و تعدیل کا مشہور قاعدہ ہے کہ کسی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے ثقہ اور عادل لوگوں کے قول کا اعتبار ہوگا۔ صاحب غرض اور دروغ باف لوگوں کا قول مطلقاً قبول نہ کیا جائے گا۔ البتہ کسی کی تعدیل میں کسی فاسق کا قول دوسرے معتبر قول کا شاہد و مؤید ضرور بن سکتا ہے۔ اسلئے مشہور کذاب لوگوں کی روایتوں کو درایت اور قرائن حال اور ثقہ عادل لوگوں کی روایتوں کی بنیاد پر نظر انداز کردینا چاہیئے

۳۔ کسی معاملہ میں شہادت زیادہ قوی اسکی ہوگی جو شریک معاملہ ہو معاصر اور چشمدید گواہ ہو۔ پھر صاحب معاملہ کے اقرباء کے طرز عمل و اقوال سے یا قرائن قویہ کے وجود کی گواہی کو معتبر کہا جائے گا اسلئے محنت کرکے شریک معاملہ، معاصر اور چشمدید حضرات کی گواہیاں، حالات اور قرائن قویہ زیادہ سے زیادہ جمع کرنا چاہیئے جو تحریف اور بے ادب خرافات اور مٹانے سے بچ گئی ہیں۔

۴۔ غیر معاصر لوگوں اور خاصکر صحابہ رضؓ اور صاحب معاملہ کے قریب ترین اعزا کی گواہیوں کا اعتبار ہوگا عرصہ بعد پیدا ہونے والوں، فاسد اغراض رکھنے والوں، جھوٹ میں متہم بلکہ مشہور لوگوں کا قول صحابہ رضؓ وتابعین اور

دیگر قوی ترین قرائن حالی سے بڑھکر تو کیا برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس بڑے بڑے محدث، صوفی مجتہد یا غوث و قطب، کذابوں کی غلط تاریخ کو صحیح سمجھکر برابر خود بھی وہی کچھ بولتے رہے جس سے آنیوالی نسلیں دھوکا کھاتی رہیں

۵۔ یزید جیسے بدنام کو اگر تاریخوں نے کچھ اچھا بھی لکھا ہے تو اسکی وجہ سوا اسکے کچھ نہیں کہ اسکے اندر وہ خوبیاں تھیں اور ضرور تھیں اور اس درجہ تھیں کہ بدنامیوں کے باوجود انکو دبانا اور چھپانا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا

یہ کچھ سوچکر ہم نے خدا کی دی ہوئی ہمت اور اپنے اکابر سے سیکھی ہوئی صاف گوئی اور حق کی حمایت سے کام لیا اور قرون ثلاثہ کے صدیوں بعد کے اکابر علماء کے اقوال کو اسلئے یکسر نظر انداز کیا اور ناقابل التفات سمجھا کہ وہ (۱) معاصر صحابہؓ کے اقوال کے مخالف تھے (۲) ان سے صحابہ کی طرف سے بدگمانی اور پھر بدزبانی پیدا ہوتی ہے جو ہمکو کسی طرح گوارا نہیں (۳) وہ اقوال درایت اور دیگر قوی قرائن حالی کے خلاف تھے اس لئے ہم موجودہ کتب تاریخ اور دیگر کتب سے یزید کے بارہ میں صحابہؓ و تابعین کے تحسین کے اقوال کو یکجا کرتے ہیں تاکہ اہل علم، اہل عقل کو فیصلہ کرنا آسان ہو جائے اسکے بعد انکو اختیار ہے کہ ابو مخنف (موت ۱۵۷ھ) اور معاصر صحابہؓ کے اقوال میں سے جسکا قول چاہے پسند کریں۔ ع۔

وللناس فیما یعشقون مذاہب

(الف) بخاری شریف (ج ۱ ص ۴۰۹) باب قتال الروم کی روایت ہے کہ حضورؐ ایک بار (اپنی رضاعی خالہ) ام حرام بنت ملحان کے گھر تشریف

لے گئے وہاں آپ نے دوپہر کو قیلولہ فرمایا اسمیں آپکو ایک بار تو وحیٔ منامی میں آپ کی امت سمندر اور جہاز پر جہاد کو جاتی دکھائی گئی اور آپ نے بیدار ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا "ان مجاہدوں نے تو اپنے اوپر جنت و مغفرت واجب ہی کرلی" اسکے بعد پھر آپ کی آنکھ لگ گئی تو آپ کو دوسری بار وحیٔ منامی سے کچھ اطلاعات اور ملیں آپ نے بیدار ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا میری امت کی پہلی وہ فوج جو قیصر روم کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گی اس (پوری فوج) کے گناہ بخشدیئے گئے" علماء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ پہلی وحی کے مصداق سیدنا امیر معاویہؓ اموی تھے جنھوں نے پہلا اسلامی بیڑہ لیکر قبرص فتح کیا تھا اور دوسری کے مصداق امیر یزید تھے جنھوں نے ۴۹ھ میں بعمرہ ۲۵ سال مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اگرچہ ابن التین نامی شارح کی رائے ہیں تو اس حدیث کے بعد بھی یزید کا مغفور ہونا مشکوک اور اس کا دوزخی ہونا (غالباً دوزخی بھی مؤبد اور مخلد) متیقن سا ہے مگر اہل احتیاط صاف دل علماء کے نزدیک ذیل کے وجوہ سے اسکا مغفور ہو کر اٹھنا اور جنت میں اسکا دخول اوّلی متعین ہے :-

۱۔ وحی وارشاد رسولؐ کا احترام تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مراد یہ لیا جائے کہ چونکہ حضورؐ مغفور فرما رہے ہیں اسلئے وہ مغفور ہو کر ہی محشر میں اٹھایا جائے اسکی مغفرت کو جہاد کے عام مکفر معاصی کے طور سے نہ مانا جائے یعنی یزید کا جنت میں دخول اولی ہی مراد لیا جائے ورنہ اگر سزائے دوزخ پا چکنے کے بعد جنت میں دخول مانا جائے تو یہ تو بے شمار گنہ گاروں کو بھی

نصیب[1] ہوگا۔ اسمیں ایسی کیا خصوصیت اور ندرت تھی کہ حضورؐ مسرور ہوتے۔ اس بشارت کا چالیس سال پہلے اعلان فرماتے۔ اسی دولت مغفرت ہی کی لالچ سے تو بہت سے صحابہؓ اس مہم قسطنطنیہ میں شریک ہوئے تھے۔ خود سیدہ ام حرامؓ بنت ملحان صحابیہ جو راوی حدیث ہیں۔ سیدنا ابو ایوبؓ میزبان رسولؐ۔ سیدنا عبد اللہ ابن عمرؓ۔ سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ سیدنا عبد اللہ ابن زبیرؓ اور خود شہید کربلا سیدنا حسینؓ ابن علیؓ (تاریخ البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر ۸/۱۵۱ تاریخ ذہبی ۲/۱۱ تاریخ الامت ۳/۲۰ امیر علی ۱/۱۲) اس میں اسی بشارت کی لالچ میں تشریف لے گئے تھے۔ ایسے اکابر صحابہؓ کے ساتھ ہونے پر اگر انکے برکات سے امیر یزید کو مغفرت بھی اور جنت میں دخول اولی ہی مل جائے تو نہ معلوم اس میں قابل حیرت بات کیا ہے؟ نہ معلوم لوگوں کو کونسی خلش اس تاویل بارد پر مجبور کرنے لگتی ہے کہ یہ مغفرت تو صرف اس غزوہ تک کے گناہوں کے بارہ میں تھی۔

---

[1] بعض علماء (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) نے اسکو عام کفارات پر قیاس کرکے لکھا ہے کہ اس سے یزید کی مغفرت اس غزوہ ہی تک کے گناہوں کی مراد ہے، بعد کے گناہوں کی نہیں۔ غور کیجئے اگر اسے تسلیم کیا جائے تو حسب ذیل مثالوں میں اور ایسے ہی بہت سے دوسرے مواقع پر بھی یہی فیصلہ کرنا پڑیگا حالانکہ شاید ان مواقع پر کوئی اسکی ہمت نہ کر سکے گا۔ یہاں چونکہ معاملہ یزید کا ہے اس لیے شاہ صاحبؒ وغیرہ اسمیں تاویل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً (۱) قرآن میں سیدہ عائشہؓ کیلئے لھم مغفرۃ و رزق کریم تو انھوں نے فرمایا مغفرت کی طرف سے تو بحمد اللہ اطمینان

(انتباہ) اس سعادت مغفور لہم کا اول تو بہت سے لوگ[غ] یزید کے حق میں ہونا مانتے ہی نہیں بعضے لوگ مانتے ہیں تو اسے صرف ایک تاریخی بیان سمجھکر اسپر زیادہ یقین نہیں کرتے اور تعجب ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب

ہوگیا اب رزق کریم کا انتظار ہے" یعنی انھوں نے اس لفظ سے نزول آیت تک کے گناہوں کی مغفرت نہیں بلکہ وفات تک کے گناہوں کی مغفرت سمجھی (۲) قرآن کی اس آیت میں لکھم سے چار حضرات مراد ہیں خود حضورؐ تو آپکا سوال خارج از بحث ہے، ابو بکرؓ عائشہؓ صفوانؓ تو ان تینوں کیلئے بھی آیت کے نزول تک کیلئے مغفرت ماننا پڑیگی (۳) اہل بدر ۳۱۳ صحابہؓ کیلئے حضورؐ نے خدا کی طرف سے یہ وعدہ سنایا کہ" اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اس میں بھی سب کی یا کسی ایک کی مغفرت جنگ بدر ہی تک کے گناہوں کے متعلق ماننا پڑیگی (۴) نسائی باب غزوۃ الہند میں ثوبان مولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو خدا نے جہنم سے بچا لیا (احرزہما من النار) ایک وہ جو ہندوستان پر غزوہ کرے الخ" تو اسمیں بھی محمد بن قاسمؒ کی کل فوج کے کل غازیوں یا انمیں سے کسی ایک کی مغفرت صرف اس غزوہ تک کے گناہوں کی حد بندی کرنی پڑیگی ورنہ لہم مغفرۃ ۔ مغفور لہم ۔ احرزہما عن النار میں کونسا فرق ہے جو یزید کیلئے غزوہ تک کی حد بندی کیجائے اللہ معاف کرے یہ علمی اشکال تھا اسلئے مجبوراً لکھا

[غ] بعض مصنفین نہ معلوم کیوں علمی میدان میں اتر آئے اور سیر الصحابہؓ جیسے اہم اعتقادی مضمون پر قلم اٹھانے لگے وہ تاریخ زور کے بل پر یزید کے لشکر غزوہ روم کے سردار ہونیکا انکار کرتے ہیں مگر بخاری شریف کا علم رکھنے والے ایسے شاہوں کی

نے بھی اسے صرف "تواریخ ثابت مانا ہے میں کہتا ہوں تاریخ سے تو خیر یہ ثابت ہی ہے (دیکھو طبری ج ۱۳ ص ۱۵، ۱۶ "منہم ابو ایوب ... ... عام غزا یزید بن معاویۃ القسطنطینیہ" انتہی ۔ مگر یہ واقعہ تو خود بخاری سے بھی ثابت ہے کہ اس تاریخی مہم میں جو پہلی فوج مدینہ قیصر پہ حملہ آور ہوئی تھی اسکا امیر یہی یزید تھا ۔ بخاری کا متن یہ ہے :-

قال محمود بن الربیع محدث تمها قوماً فیهم ابو یوب الانصاری صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة التی توفی فیها ویزید بن معاویه علیهم بارض الروم الخ (ترجمہ :- راوی محمود کہتے ہیں میں نے یہ حدیث ایک مجمع میں بیان کی جسمیں صحابی رسولؐ سیدنا ابو ایوبؓ انصاری بھی تھے اور یہ اس مہم اور غزوہ کا ذکر ہے جسمیں سیدنا ابو ایوبؓ کی وفات ہوئی اور یزید بن معاویہ اس مجمع اور لشکر کا امیر تھا اور سرزمین روم (مدینہ قیصر قسطنطنیہ) پر حملہ کیا جانے والا تھا الخ (بخاری شریف ج اول باب صلوٰۃ النفل جماعۃً ص ۱۵۸)

۲ - سیدہ ام حرام کی مذکورہ حدیث میں حضورؐ نے اگرچہ اس غزوہ کے امیر کا ذکر کسی خاص مدح کے ساتھ نہیں فرمایا ہے مگر جب وحی سے اس غزوہ کے تمام لوگوں کو پیشگی اعلان کے ساتھ بشارت دی اور بلا استثنا سب کے

تحریروں کو نا قابل التفات سمجھتے ہیں ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

لئے مجموعی طور پر مسرت کے لہجہ میں فرمایا تو یہ بات رحمت حق سے سخت مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایک شخص کی زندگی اور وہ بھی کچھ اس بشارت سے مستثنیٰ ہو۔ پھر جب حضورؐ نے غزوہ سے چالیس سال پہلے وحی سے انکی مغفرت کی بشارت سنائی اور امیر لشکر کے کردار یا قیادت پر کوئی ادنیٰ نکیر بھی نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ یزید کے اور اس غزوہ کے تمام شرکاء کے کردار اور قیادت کی طرف سے نبی صلعم کو اطمینان ہی تھا اگر زرا بھی ناپسندیدگی ہوتی تو آپ اسکا اظہار یقیناً فرما دیتے امیر کے کردار و قیادت کے بارہ میں سکوت بھی ایک درجہ میں تقریر ہے اسلئے بھی عقل سلیم قبول نہیں کرتی کہ یزید کی زندگی کی ایک مقررہ حد ہی اس سے مراد ہے۔

(الف) دوران جہاد میں ظاہر ہے کہ پنجوقتی نماز تمام لشکریان اسلام نے خصوصاً مذکورہ بالا پنجتن پاک صحابہؓ نے امیر یزید ہی کے پیچھے پڑھی ہوگی پھر حضرت ابو ایوبؓ کے انتقال پر انکی نماز جنازہ بھی امیر لشکر نے پڑھائی ہوگی کیونکہ یزید ہی امیر لشکر تھے اور ابن عباسؓ کی شہادت سے وہ صالح تھے۔ ابن حنفیہ کی شہادت سے وہ سنت کے پیرو نمازوں کے پابند تھے۔

(ب) یزید ایک صحابی کا لڑکا تھا، تابعی تھا۔ قرون ثلاثہ خیریت کے دوسرے قرن میں تھا۔ صحابہ اور تابعین میں رہنے والے ایک تابعی سے غالب امید بھی کیجاتی ہے کہ وہ گناہ (کبیرہ و صغیرہ) سے مرنے سے قبل توبہ کریگا۔ پس اگر بالفرض یزید مجرم تھا بھی تو کیا عجب

کہ اس نے اپنے اس فعل سے جو گناہ کبیرہ تھا نادم ہو کر مرنے سے قبل توبہ کرلی ہو اور اسطرح وہ بغیر سزا پائے جنت میں جائے اور حضورؐ کا وہ ارشاد یوں صحیح ہو جائے۔ چنانچہ اسکے بارہ میں اس کے معاصر صحابہؓ اور تابعین کی جو گواہیاں آگے آرہی ہیں اُن سے اس احتمال کی کافی تقویت اور تائید ہوتی ہے۔

(ج) سیدنا حسینؓ اور زین العابدینؒ اور انکے گھرانہ کے سبھی افراد مکارم اخلاق کے بلند مرتبہ پر تھے اگر یزید مجرم تھا بھی تو کیا عجب (بلکہ یقین) ہے کہ انھوں نے عالی حوصلگی کو کام فرما کر یزید کے اس محتمل تعدی و ظلم کو معاف کر دیا ہو، آخر سیدنا حسنؓ نے اپنے زہر دینے والے کو معاف کر ہی دیا تھا کہ سیدنا حسینؓ کو پوچھنے پر بھی اسکا نام نہیں بتایا اور اسے معاف کر کے دنیوی سزا (قصاص میں قتل یا دیت) سے بچایا۔ اور سیدنا حسنینؓ کے تو ادنیٰ ادنیٰ خادموں نے بھی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے۔

انتباہ: (چونکہ توبہ و استغفار یا ابراء ظالم کے ماحی ذنوب ہونے کا ذکر آگیا ہے تو تتمیم فائدہ کیلئے ایسے تمام اعمال کی فہرست بعض کتب سے مع شرح و اضافہ کے یہاں لکھدینا چاہتا ہوں)

امام ذہبیؒ نے جو امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ کی چار جلدوں کی تلخیص "المنتقیٰ" کے نام سے لکھی ہے جو مصر میں علامہ محب الدین الخطیب کے تحشیہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے

اسمیں امام ذہبی نے (غالباً امام ابن تیمیہؒ ہی کے الفاظ ہیں) تمام مکفرات کو (یعنی شریعت میں جن اعمال سے گناہوں کا کفارہ ہونا بتایا گیا ہے) یکجا جمع کر دیا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) توبہ و استغفار جو شرائط کے ساتھ خلوص سے ہو۔ (امامیہ کے تمام اماموں کے بارہ میں ثابت ہے کہ انھوں نے بھی اپنے گناہوں سے برابر توبہ کی) (۲) حسنات اور اعمال صالحہ: قرآن میں ہے ان الحسنات یُذہِبنَ السیئات، یقین کرو نیکیاں تو تمام صغائر گناہ کو ختم کر دیتی ہیں۔ (۳) اجتناب کبائر: کبیرہ گناہوں سے بچتے رہنے کی عادت رکھنے سے صغائر معاف ہوتے ہیں قرآن میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم (۴) آفات و مصائب ناگہانی: بخار اور دیگر بیماریوں کو حضورؐ نے طہور فرمایا ہے (۵) دعائے مومنین غائبانہ تمام مومنین برابر قیامت تک تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیئے ربنا اغفر لنا ذنوبنا پڑھتے رہتے ہیں (۶) دعائے ملائکہ و حاملین عرش: قرآن پارہ ۲۴ سورہ مومن کے دوسرے رکوع میں ہے کہ یہ فرشتے تمام مسلمانوں کے لیئے خدا سے سفارش اور استغفار ذنوب کرتے رہتے ہیں (۷) اسپر نماز جنازہ پڑھا جانا (۸) ضغطہ قبر کا بھی کفارہ معاصی ہونا حدیث میں آیا ہے (۹) سوال نکیرین بھی گناہوں کا کفارہ بنتا ہے (۱۰) محشر کے اہوال و مخاوف بھی کفارہ بنتے ہیں (۱۱) شفاعت شافعین: سب سے بڑھکر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی شفاعت۔ حضورؐ نے فرمایا ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی یعنی اپنی امت کے کبیرہ گناہوں ہی کے متعلق میں سفارش کرونگا (اور وہ مقبول ہوگی)۔ کبیرہ سے زیادہ سخت نافرمانی (گناہ یعنی شرک اور کفر و ارتداد اور منافقت اعتقادی کی نہ تو میں سفارش کرونگا اور حق تعالےٰ اسے معاف کرینگے۔ قرآن میں ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اور ایک جگہ ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی نفاق اعتقادی کے لوگ جہنم کے سب کے نچلے طبقہ میں رہینگے۔ پھر حضورؐ کے علاوہ صلحاء و مشائخ، مساجد کے ائمہ اور موذن محلہ کے نمازیوں کے لیئے اسقاط

ہونے والا بچہ یہ سب سفارش کرینگے (۱۲) مظلوم سے ابراء: یعنی مظلوم و مقتول اسے معاف کردے یا قاتل و ظالم اس سے معافی مانگ لے (۱۳) اضافہ از سراج: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو مغفور فرما دینا۔ یہ کلمہ بجائے خود کفر اور شافع ہے (۱۴) میت کی غیبت بھی میت کیلئے کفارہ بنتی ہے۔

(د) جب کسی تابعی کے بارہ میں ہمیں مدح اور منقبت بھی ملتی ہو اور قدح و منقصت بھی۔ منقبت تو ایسی کہ حدیث سے اس کا مغفور ہونا تک ثابت ہو اور سیدنا حسینؓ کے بھانجے اور بھائی اور ابن عباس صحابی رسول اور معاصرین صحابہؓ و تابعینؒ اسکی دینداری کی تعریف اور اعتراف کرتے ہوں اور قدح و منقصت ایسی کہ بیشمار متاخرین صلحاء اکابر (جو خیر یت کے قرون ثلاثہ کے بہت بعد ہوئے) تاریخی روایات سے متاثر ہو کر اسکو مسلسل برا کہتے رہے ہوں جنکے مصنف اول تفتیش کرنے پر

کذاب ۔ وضاع ۔ فتنہ پرداز ۔ سبائی ثابت ہوتے ہوں مثلاً محمد بن سائب کلبی (م ۱۴۰ھ) جو رجعت علیؓ کا قائل تھا ۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م ۱۷۰ھ) ہشام بن کلبی (م ۲۰۴ھ) وغیرہ تو شرع محمدی اور قانون حنفی کا قائل تو مجبور ہے کہ شبہہ کا فائدہ مجرم کو دے ۔ یہ قانون جب کفر و اسلام تک کا فیصلہ کرنے کے لیے ہے تو یزید پر (اگر ثابت کیا جا سکے) تو سیدنا حسینؓ صحابیٔ رسول کی شہادت کا الزام ہے جو فسق اور گناہ کبیرہ ہی ہے (کیونکہ نہ اسمیں امیر یزید کا حکم دینا ثابت ہو سکتا ہے نہ رضائے قلب تو کیا تاریخ کی دو رنگی اور بوجوہ اس گناہ کبیرہ و فسق کو نظر انداز کر دینے کی پر زور سفارش نہیں کرتے؟ خوب یاد رکھیے کہ سیدنا حسینؓ صحابی تھے اور صحابی کا قتل گناہ کبیرہ ہی ہے اگر یزید پر قتل حسینؓ کا گناہ ثابت بھی ہو جائے تو اس سے کفر ثابت نہیں ہو سکتا ۔ کفر ثابت کرنے کے لئے اسکی رضاء قلبی اسکا حکم ، اسکی دلی مسرت واقعی ثابت کرنی پڑیگی جو جھوٹے اتہام سے نہیں ٹھوس قطعی دلیل ہی سے ثابت ہو سکتی ہے ۔

(۷) پھر آخر قرآنی آیت لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا (اور دیکھو کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کا جرم کرنے پر آمادہ نہ کر دے) کا مفاد کیا ہے؟ کیا یہی ہے کہ کذاب راویوں کے اتہامات سے یزید کے سر یہ سنگین الزامات لگا دیے جائیں؟ جبکہ باہمی شادیاں اور یزید کا قتل حسینؓ سے تحاشی کرنا ثابت ہے ۔

(۹) علامہ بلاذری اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں لکھتے ہیں کہ امیر یزید کے خلیفہ ہونے پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہؓ کے حق میں مغفرت کے بعد یہ بھی فرمایا تھا وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم" یعنی امیر معاویہؓ کے بیٹے یزید یقیناً اپنے گھرانہ کے صالح لوگوں میں سے ہیں اسلئے تم سب (شورش نہ مچانا بلکہ) اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اپنی جانب سے بیعت اور امیر کی اطاعت ہی دکھانا (ص۴ جزو رابع قسم ثانی) اسی روایت کو "امامت والسیاست" کے مصنف نے ذرا سے تغیر کے ساتھ لکھا ہے (ص ۲۱۳) "... واللہ ان ابنہ لخیر اھلہ (بخدا امیر معاویہؓ کے بیٹے (یزید) انکے گھر کے لوگوں میں سب سے اچھے ہیں)۔

دیکھئے امیر یزید کے ہمعصر فرد اور جلیل القدر صحابی تو یزید کو صالح کہہ رہے ہیں اور خیر (نیک) کہہ رہے ہیں، مومن کہہ رہے ہیں یہ ابن عباسؓ جب امیر یزید کے معاصر اور چشم دید گواہ ہیں تو آخر یزید کے حق میں تاریخ میں آیا ہوا ان معاصر کا قول کیوں معتبر نہیں ہے؟ کیا اسلئے کہ ابو مخنف اور طبری نے نہیں لکھا ہے؟ اب اگر ہم کہیں حضرت سیدنا ابن عباسؓ کے اس قول کے سامنے بعد کے اکابر کے اقوال کو ماننے لگیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے اس فعل کو سخت ناپسند فرمائیں گے۔

(ف) حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن مجتبیٰ کی وفات پر تعزیت

ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی گئے تھے اور امیر یزید بھی۔ جب امیر یزید واپس چلنے لگے تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا" اذا ذھب بنوحرب ذھب علماء الناس" جب حرب (یزید کا پردادا) کے گھرانہ والے دنیا سے رخصت ہوجائیں گے (تو گویا دنیا سے) عالم لوگ اٹھ جائیں گے۔ دیکھئے ابن عباس نے امیر یزید کو علم سے منسوب کیا۔ ابن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابی، حبر امت کسی ایسے ویسے کو عالم نہیں کہہ سکتے۔

(و) بخاری ج ۲ کتاب الفتن میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا قول موجود ہے" انا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ" یعنی سنو ہم نے اس شخص (امیر یزید) سے اللہ رسولؐ والی بیعت کی ہے (اسکے بعد فرمایا" میرے گھر والوں میں سے اگر کسی نے یزید کی بیعت توڑی تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں) دیکھئے ابن عمرؓ یزید کی بیعت کو خدا اور رسولؐ والی بیعت کہہ رہے ہیں۔

(ز) مسلم کی روایت ہے کہ ابن زبیر کے کٹو یسر اور داعی ابن مطیع سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا ۔۔۔۔ میں تمھارے پاس بیٹھنے نہیں آیا ہوں بلکہ یہ حدیث سنانے آیا ہوں کہ حضورؐ نے فرمایا" جس نے بیعت کر کے اسے توڑا (جیسا تم یزید کی بیعت توڑ رہے ہو) تو قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے اس سے بازپرس ہوگی اس کے پاس کوئی عذر و جواب نہ ہوگا"۔ دیکھئے ابن عمرؓ یزید کی بیعت توڑنے پر

دوسرے کو زجر و تنبیہ فرماتے ہیں (سراج: یزید کو سب سے پہلے انھیں ابن مطیع نے بدنام کیا ہے)

(۳) حافظ ابن کثیر نے بدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۲۳۳) میں لکھا ہے کہ ابن مطیع، محمد ابن الحنفیہ (محمد بن سیدنا علیؓ) کے پاس گئے اور ان سے کہا "آپ یزید کی بیعت توڑ کر ابن زبیر کی بیعت کر لیجئے تو انھوں نے انکار کر دیا۔ ابن مطیع نے کہا یزید شراب پیتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے انکو احکام دین کی پرواہ نہیں" تو محمد بن علیؓ نے فرمایا "میں یزید سے بار ہا ملتا رہا ہوں میں نے تو ان میں وہ باتیں نہیں دیکھیں جن کا تم ذکر کرتے ہو بلکہ میں نے انھیں نمازوں کا پابند۔ خیر کا جویا۔ فقہ کا طالب اور سنت کا پیرو ہی پایا ہے۔" ابن مطیع نے کہا تو وہ یہ سب کچھ آپکو دکھانے کے لئے کرتے ہونگے" محمد بن علی نے کہا انھیں مجھ سے ڈرنے کا کیا سبب یا کیا لالچ ہو سکتا ہے جو وہ میرے سامنے ایسا کرنے لگیں؟ اور کیا انھوں نے تمہارے سامنے بیٹھکر شراب پی ہے؟ اگر تمہارے سامنے پی ہے تو تم بھی اس گناہ میں شریک ہوئے اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تو پھر تم نے ایسی بات ایک مسلمان کے خلاف زبان سے نکالی کیسے؟ جسے تم جانتے نہیں۔ ابن مطیع نے کہا کہ گو ہم نے خود یزید کو ایسا کرتے (شراب پیتے) نہیں دیکھا ہے مگر یہ بات ہے سچی محمد بن الحنفیہ نے فرمایا "اللہ تعالےٰ تو یہ فرماتا ہے کہ "..... بجز اسکے کہ جو سچی گواہی ذاتی علم کی بنا پر دے (زخرف) اٹھ جاؤ میں کسی بات میں تمھارا ساتھ نہیں دے سکتا" لیجئے سیدنا حسینؓ و یزید کے معاصر

سیدنا حسینؓ کے بھائی ایک جلیل القدر تابعی۔ "امیر یزید کو سنت کا پیرو نماز کا پابند۔ شراب سے بچنے والا بتاتے ہیں اب جس کا جی چاہے معاصر تابعی کا قول مانے یا کذاب ابو مخنف اور تبرائی طبری کی روایت مانتا پھرے۔

(ط) ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۸۳ پر حدیث لا یزال الاسلام عزیزاً الخ کی شرح میں ائمہ حدیث کے چار اقوال نقل کئے ہیں چاروں کی رُو سے یزید کا دور اسلام کی عزت و سربلندی کا دور بتایا ہے۔

(ی) امیر یزید صحابی کے لڑکے اور تابعی تھے حضرت حسینؓ کے بھانجے داماد بھی تھے اور سیدنا حسینؓ کے ماموں بھی تھے، غور وانصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ اگر یزید کو اُسی جماعت نے بدنام کرنا اور گالیاں دینا شروع کیا ہو جو آج تک ابو بکرؓ و عمرؓ تک کو برا کہے چلی جا رہی ہے تو (سو فیصدی نہیں بلکہ دو سو فیصدی) یقین ہے کہ یزید کی بھی یہ ساری بدنامی افترا محض ہے ہم ابن عمرؓ ابن عباسؓ صحابہ اور محمد بن حنفیہؒ تابعی کی باتوں اور راویوں کے سامنے اور بخاری اور مسلم کی پختہ اور صحیح احادیث کے سامنے کذاب ابو مخنف کی جھوٹی تاریخ نہیں مان سکتے

(ک) سیدنا حسینؓ کے بہنوئی حضرت عبداللہ ہاشمیؒ بن جعفر طیارؓ نے امیر یزید کو "فداک ابی و امی" فرمایا تھا (تحقیق مزید ص ۱۷۳)

(ل) مذکورہ عبداللہ ہاشمی کے بیٹے امیر یزید کے گہرے دوست تھے انھوں نے امیر یزید کی مدح میں یہ شعر تک کہدیا ہے ؎

اذا امزق الاخوان بالغیب ودھم   فسیدٌ اخوان الصفاء یزید

(یعنی جب نظروں سے غائب ہونے کی حالت میں دوسرے بھائی اور دوست دوستی کو پارہ پارہ کردیں اسوقت بھی امیر یزید سچے دوستوں کے سردار ہی ثابت ہوتے ہیں)۔ (تحقیق مزید ص۱۴)۔

(۴) حضرت عبداللہؒ بن مبارک کی "کتاب الزہد" میں حضرات صحابہؓ وتابعین سے روایت کردہ احادیث زہد (مرفوع و مرسل) میں آج بھی صحابہؓ کے اقوال کے بعد یزید بن معاویہؓ کے زہد کے اقوال موجود ہیں انکے خطبۂ جمعہ میں بھی، جو آگے آرہا ہے اسی قسم کی زہدیات موجود ہیں۔ ایک قول میں یہاں درج کرتا ہوں:۔

کتاب الزہد عبداللہ بن مبارک (بروایت زیادت ابن نُعیم بن حماد) میں ص۳۸ پر حدیث ۱۵۶ یہ ہے:۔

انا حنظلة بن ابی سفیان قال ابن ابی مُلیکة قال سمعت یزید بن معاویة یقول فی خطبتہ: ایکم مرض مرضا اشفیَ منہ۔ فلینظر ای عملٍ کان اغبط عندہٗ فلیلزمہ وایّ عملہ کان اکرہ عندہٗ فلیذَرْہُ

ہمکو حنظلہ بن ابی سفیان نے خبر دی کہا کہ ابن ابی مُلیکہ نے کہا کہ میں نے یزید بن معاویہ کو اپنے خطبہ میں کہتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو کر شفا پا جائے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ اسکا کونسا عمل اسکے نزدیک قابل رشک اور بہتر ہے بس اسی کو لازم پکڑ لے اور دیکھے کہ کونسا کام اسکے نزدیک مکروہ ہے اسے چھوڑ دے۔

اہم انتباہ:۔ (۱) کتاب العواصم من القواصم (مصنفہ ابوبکر بن العربی

شاگرد امام غزالیؒ) میں ۲۳۲ھ پر ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزید کا ذکر اپنی کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کیے ہیں یہ روایت قاضی ابن العربی کے زمانہ تک کتاب ابن حنبل میں موجود تھی بعد میں غائب کر دی گئی، وہی روایت اب کتاب الزہد ابن مبارک میں موجود ہے۔ خدا نے ابتک تو اسے چوروں اور شیطانوں سے محفوظ رکھا ہے۔ بہرحال ابن العربی نے یہی روایت لکھنے کے بعد لکھا ہے

وهذا يدلُّ على عظيم منزلته (اي يزيد) عندهٗ حتى يُدخِلَهٗ في جملة الزُّهّادِ من الصحابة والتابعين فَأين هذا من ذكر المورخين له في الخمر وانواع الفجور الا يستحيون؟ (انتهى) (کتاب العواصم من القواصم)

یہ بات اسپر دلالت کرتی ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک امیر یزید کی منزلت کتنی عظیم اور درجہ کتنا بڑا تھا کہ انکو زاہد صحابہ اور تابعین میں داخل کر دیا ہے۔ پس کہاں یزید کا یہ درجہ اور کہاں مورخین کا شرابنوشی اور طرح طرح کے فسق و فجور کے بیانات (توبہ) کیا ان مورخوں کو شرم نہیں آتی؟"

معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہؒ بن مبارک (شاگرد امام ابوحنیفہؒ) اور امام احمد بن حنبل جیسے محدثین کے نزدیک یزید ایک عادل اور ثقہ شخص ہیں جنکی روایت حدیث بلا تامل مقبول ہے۔

(ن) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:۔

ذکرہٗ ابو زرعة الدمشقی فی — ان (امیر یزید) کا تذکرہ محدث ابوزرعہ دمشقی

الطبقۃ التی تلی الصحابہ نے راویان حدیث کے اس طبقہ میں کہا ہے وھی العلیا وقال: لہ احادیث جو صحابہ سے بالکل متصل ہو اور یہ طبقہ عالی ہے البدایہ والنہایہ ص۲۲۸ اور یہ بھی کہا کہ یزید سے مروی کچھ حدیثیں بھی ہیں۔ غور کیجیے ابن کثیر اور محدث ابوزرعہ دمشقی امیر یزید کو صحابہ سے متصل رواۃ حدیث کے طبقۂ عالیہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن مبارک امام احمد بن حنبلؒ نے یزید کا ذکر صحابہ کے بعد کیا ہے کیونکہ امیر یزید داقعی حسب ذیل صحابہؓ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ خود سیدنا معاویہؓ۔ حضرت دحیہؓ کلبی۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ حضرت اسامہؓ۔ حضرت (میزبان رسولؐ) سیدنا ابوایوبؓ انصاری اور ان سے روایت وحدیث کی ان سے امام ابوداؤد نے اپنی صحیح کے مراسیل میں حدیث روایت کی ہے۔ ابن حجر عسقلانی چونکہ ان سے خفا ہیں اسلئے یزید کو ناقابل توجہ بتاتے ہیں۔ پھر امیر یزید سے عبدالملک بن مروان نے۔ خود امیر یزید کے تینوں صاحبزادے خالد۔ معاویہ۔ عبدالرحمن نے روایت حدیث کی ہے۔ چنانچہ یہ حدیث کہ حضورؐ نے فرمایا "من یُرِدِ اللّٰہ بہ خیراً یفقہہُ فی الدین" (اللہ جس کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے) امیر یزید نے اپنے والد سے روایت کی اور ایک حدیث رسولؐ "من مات لایشرک باللّٰہ شیئاً ادخلہ اللّٰہ الجنہ" (جو اس حال میں مرے کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناتا ہو تو خدا اسے جنت میں داخل کرے گا) امیر یزید نے ابوایوبؓ انصاری سے روایت کی۔

(س) (الف) امیر یزید اپنے دورِ خلافت میں جمعہ اور عیدین کی امامت خود کرتے تھے خطبہ دیتے تھے، اور خطباء قریش میں امتیازی شان رکھنے کی وجہ سے انکا لقب خطیب الاشدق پڑ گیا تھا۔ چنانچہ عباسی نے ابن الحدید شارح نہج البلاغہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

کان یزید بن معاویۃ خطیباً شاعراً .... کان اعرابیَّ اللسان بدویَّ اللھجۃ" (ج ۲ ص ۲۹۳، ۲۸۵)

یزید بن معاویہ خطیب و شاعر تھے اعرابی کی زبان اور بدوی کا لہجہ رکھتے تھے۔

(ب) کتاب عقد الفرید ج ۲ ص ۳۶۷ میں امیر یزید کا خطبۂ جمعہ بھی منقول ہے اسکے چند جملے یہ ہیں:-

اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ ... ثم انی احذرکم الدنیا فانھا حلوۃ خضرۃ۔ حُفَّتْ بالشھوات وراقت بالقلیل واینعت بالفانی وتحبَّبَتْ بالعاجل.... اکّالۃ غوّالۃ غرّارۃ فرارۃ۔ لا تبقی علی حال ولا یبقی بھا حال (انتھی)

اللہ کے بندو! میں تم کو تقوی کی وصیت کرتا ہوں ... پھر میں تم کو دنیا سے ڈرانا چاہتا ہوں یہ شیریں اور سرسبز و تر و تازہ تو ہے مگر خواہشات نفسانی سے ڈھانک دی گئی ہے۔ تھوڑی سی حیثیت پر بارونق بنی ہوئی ہے۔ فانی چیز کا پھل پیدا کرتی ہے۔ اور تھوڑی زندگی کو پسند کرتی ہے۔ کھا جانے والی دھوکا دینے والی، فریبی اور بھاگنے والی خود یہ بھی ایک حالت پر نہیں رہتی، اور اسکا بھی کوئی حال پائدار نہیں۔ انتہی

خطبۂ امیر یزید کی ایک روایت اسی قسم کی زہدیات کی جزدون میں بیان کر آئے ہیں۔ (ج) جاحظ معتزلی اپنی کتاب بیان والتبیین میں لکھتا ہے

"کسی نے (خیر التابعین) سیدنا سعیدؒ بن المسیب سے پوچھا لوگوں میں زیادہ بلیغ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے کہا میں یہ نہیں پوچھتا۔ حضورؐ کے بعد آج قریش میں کون خطیب فصیح و بلیغ ہے۔ انھوں نے فرمایا" حضرت معاویہؓ اور انکا بیٹا"
(دیکھو بیان وتبیین ۱/۲۰۶)۔

(معین) علامہ ابن کثیر نے" البدایہ والنہایہ" (ج ۸ ص ۲۰۲) میں لکھا ہے کہ بعض روایات ایسی میں نے محض یہ دیکھکر لکھدی ہیں کہ ابن جریر طبری اور دوسرے حفاظ تاریخ نے اسے لکھدیا ہے اگر وہ نہ لکھتے تو میں بھی اسے نہ لکھتا (یعنی میرے نزدیک وہ صحیح نہیں) چنانچہ ص ۲۳۰ پر ایک بے سند قول یہ بھی لکھا ہے کہ امیر یزید میں یہ خرابیاں تھیں:۔
"اقبال علی الشھوات۔ ترک بعض الصلوات۔ اماتتہ الصلوات فی غالب الاوقات" (یعنی خواہش نفسانی میں توجہ وانہماک۔ بعض نماز ول کو چھوڑ دینا۔ اور اکثر اوقات میں نمازوں کو مار ڈالنا) مگر پھر اسی صفحہ پر بحکم "عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" ۔ یہ بھی لکھا ہے:۔
"کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ ..... حسن المعاشرۃ"
(ج ۸ ص ۲۳۰) (یعنی یزید میں نیکی، بھلمنساہت، حلم، فصاحت، شعر، شجاعت حکومت میں حسن رائے و تدبیر کی قابل تعریف خصلتیں بھی تھیں، وہ خوبصورت اور معاشرت میں صاف اور اچھے تھے)۔

میں نے ابن کثیر کے دونوں قول لکھدیئے، میرے نزدیک

آخری قول ہی صحیح ہے اسلئے کہ وہ بعض صحابہؓ اور تابعین کے اقوال تحسین کے موافق اور موید ہے۔

(ف) طبری ج ۶ ص ۱۹۱ پر ہے کہ جب عبداللہ اور حسین رضی اللہ عنہما بیعت یزید سے رک کر عمرہ کرنے مکہ جا رہے تھے تو راستہ میں ابن عمرؓ ملے اور کہا "اتقیا اللہ ولا تفرقا الخ" ارے تم دونوں اللہ سے ڈرو اور (بیعت یزید سے رک کر) مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اب چونکہ ابن کثیر کا قول سیدنا عباس کے قول "یزید بیعت معاویہ کے صالح لوگوں میں ہے" کے مطابق ہے اور محمد بن حنفیہ کے قول "یزید کو میں نے نمازوں کا پابند خیر کا جویا۔ فقہ کا طالب اور سنت کا پیرو پایا ہے" کے مطابق ہے اس لئے ہم ابن عباس اور ابن حنفیہ کا احترام کرکے اور انکے اقوال پر اعتماد کرکے ابن کثیر کے اول الذکر قول "اقبال علی الشہوات ترک بعض الصلوات واماتۃ الصلوات" کے قول کو ناقابل توجہ بلکہ غلط مانتے ہیں۔ امیر یزید میں اگر اماتۃ الصلوات اور اقبال علی الشہوات ہوتا تو شیخ الصحابہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور علی زین العابدینؒ رحمہ اللہ نہ خود اسکی بیعت کرتے اور نہ اسپر جمے رہتے ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول بھی شاتمین صحابہ گروہ کا ہے اب جس کا جی چاہے معاصر صحابہؓ وصلحاء کے ان سولہ سترہ شواہد کو صحیح مانے اور یزید تابعی سے حسن ظن رکھے اور جسکا جی چاہے ان شواہد کے بعد بھی سبائیہ و شاتمین صحابہ کی اقتدا کرے اور ان سے

سوءظن، طعن اور نفرت رکھے۔ (لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃٍ)۔

شبہہ (۸) صرف سیدنا حسین ہی کے پاس ترغیب قبول امامت اور التجائے دفع مظالم کے لئے خطوط پہونچے کیا وجہ ہے کہ کسی دوسرے صحابی یا دوسرے ذی وجاہت فرد کے پاس ایک خط بھی نہیں آیا؟ ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمام خطوط بھی (ڈیڑھ دو سو جن سے دو تھیلے بھر گئے) اور انکے ساتھ بیس پچیس بلکہ زیادہ قاصد بھی جو آپ کو ہمراہ لینے کے لئے آئے تھے سب کے سب کوفہ سے اور صرف کوفہ سے آئے آخر کیا وجہ ہے کہ کسی دوسرے شہر سے نہیں آئے؟

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دورِ جام ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

اسکی تشریح یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم علم وفضل۔ صحبت رسول۔ وجاہت۔ عمر و تجربہ غرض ہر چیز میں سیدنا حسینؓ سے بدرجہا بڑھکر تھے۔ پس اگر اہل کوفہ کو امارت و امامت کا کام لینا تھا تو ابن عمر و ابن عباس ایسے حضرات تھے جو سیدنا علیؓ کے عہد میں بھی اور دوسرے زمانوں میں بھی بعض جگہ کے والی و حاکم رہ چکے تھے انکو امارت و امامت کا تجربہ تھا وہ حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں زیادہ مفید ہو سکتے تھے۔ حضرت حسینؓ کو تو اسوقت تک کہیں کا بھی والی کسی نے بھی نہیں بنایا تھا اور اگر دفعِ مظالم

کی ضرورت تھی تو محمد بن حنفیہ اسکے لیئے زیادہ موزوں تھے۔ آخر سیدنا حسین رضؓ میں ایسی کونسی خصوصیت نظر آئی تھی، کہ کوفیوں کی نظر انتخاب انہیں پر پڑی؟ رہی کوفہ سے مظالم کے خطوط پہونچنے کی بات تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ یزید کی قلمرو میں کوفہ کے علاوہ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ مصر اور بہت سے دوسرے علاقے تھے کسی اور جگہ سے عمال یزید کے مظالم کی شکایات کا نہ آنا اور کوفہ ہی سے آنا کچھ کھٹک اور شک کہ "کچھ ملا نہ دیا ہو" پیدا کرتا ہے پھر کسی اور کے پاس شکایات کا نہ پہنچنا صرف سیدنا حسین رضؓ کے پاس خفیہ پہنچنا بھی شک پیدا کرتا ہے۔ اور یہ شک اسلیئے اور بھی توی ہو جاتا ہے کہ کوفہ کی شہرت ماضی میں کچھ اچھی نہیں تھی۔ یہ تو سیدنا حسین رضؓ کے سیدھے پن اور بھولے پن کا کمال ہی تھا کہ ان لوگوں کے اوپر اعتماد کر لیا اور انکے بلانے پر لبیک کہنے کو آمادہ ہو گئے۔ کوئی دوسرا انکی جگہ ہوتا تو کبھی کوفیوں پر اعتماد نہ کرتا کیونکہ کوفہ کا ماضی تو اپنے دامن میں ذیل کے سیاہ کارنامے لیئے ہوئے تھا

۱۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص مالک رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے ماموں اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے عہد فاروقی میں کوفہ کے گورنر تھے وہاں سے انکی شکایات حضرت عمر رضؓ کے پاس آنے لگیں، تحقیقات پر شکایتیں غلط ثابت ہوئیں اور شکایت کرنیوالا ابو سعدہ نامی ایک فتین کوفی نکلا جو مدینہ لایا گیا اسکو حضرت سعد رضؓ نے

بد عادی جو پوری ہوئی۔ یہ واقعہ غالباً سنہ ۲۰ھ میں ہوا مگر حضرت عمرؓ نے احتیاطاً اور انتظاماً حضرت سعدؓ کو کوفہ سے مدینہ واپس بلا لیا۔ سیدنا عمرؓ نے ایران اور عرب کی سرحد پر یہ شہر بسایا تھا اسوقت سے ایرانیوں کی نئی نئی کھیپ برابر اس میں درآمد ہوتی رہتی تھی۔

۲۔ مدینہ میں کچھ مفتوح ایرانی رہتے تھے جو وطن کی شکست کا انتقام اکابر اسلام سے مختلف طریقوں سے لینے کی سازش کرتے رہتے تھے۔ ابو لولوء فیروز ایک غلام اور ہُرمزان ایک نو مسلم اور جُفَینہ ایک ذمی، ان تینوں ایرانیوں نے سیدنا عمرؓ کو شہید کرنیکا منصوبہ بنایا، ابو لولو نے اس ہولناک جرم کا بیڑہ اٹھایا۔ جُفَینہ نے اسے زہر بھری تلوار دی۔ چنانچہ یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو سیدنا عمرؓ کو شہید کر دیا اور وہ اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ۔

۳۔ عہد عثمانی میں حضرت ولیدؓ بن عقبہ گورنر کوفہ نے تین آدمیوں کو چوری اور قتل کے جرائم ثابت ہونے پر قتل کی سزا دی اس پر غصہ میں اندھے ہو کر ان کے عزیزوں نے حضرت ولیدؓ کو شراب نوشی کی تہمت[ہ] لگائی مدینہ پہونچکر انکی شکایت کی اور دو جھوٹی گواہی بھی دلوادی حضرت

ہ مقتولوں کے عزیزوں نے تو غصہ اور نفاق میں اندھے ہو کر شراب نوشی کی تہمت لگائی آج بہت سے عقل کے اندھے بعض صحابہؓ میں ان کو شراب نوش کہکر اپنا دل خوش کرنا چاہتے ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

عثمانؓ نے ولیدؓ کو جو انکے ماں جائے بھائی بھی تھے احتیاطاً معزول کر دیا اور کوڑے لگوائے۔ حالانکہ انکو یقین تھا کہ جھوٹی تہمت اور بنایا ہوا مقدمہ ہے۔

۴۔ اہل کوفہ نے عہد عثمانی ہی میں ایک دوسرے والی کوفہ سعید اموی کی بھی شکایتیں کیں اور انکے خلاف شورش مچا کر انکا تبادلہ کرا دیا۔

۵۔ سیدنا علیؓ کو انھیں اہل کوفہ نے اتنا فریب دیا اتنا تنگ کیا کہ نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۹۰، ۹۱ پر سیدنا علیؓ کے الفاظ یہ منقول ہوئے۔ "وایم اللہ انی لاظن بکم ان لو حمی الوغی واستحر الموت لا نفرجتم عن ابن ابی طالب انفراج الراس من الجسد خدا کی قسم اگر جنگ کی گرما گرمی اور موت کی گرمی ہوئی تو تم لوگ ابی طالب کے بیٹے سے اس طرح الگ ہو جاؤ گے جیسے جنگ میں بدن سے سر)۔

۶۔ سیدنا حسنؓ کو انھیں اہل کوفہ نے اتنا پریشان کیا کہ انھوں نے ان پر تین الزامات لگائے "یزعمون انھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی۔ وانتھبوا ثقلی۔ واخذ و امالی" (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۴۸) (وہ کہتے ہیں کہ وہ میرے شیعہ ہیں مگر انھیں نے مجھے قتل کرنا چاہا میرا سامان لوٹا اور میرا مال لیا) یہ 'احتجاج' شیعوں کی معتبر کتاب ہے انکا یہ قول یقیناً معتبر ہے کیونکہ شیعوں کے ایک دوسرے عالم ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں بھی یہی حالات نقل کئے ہیں انکے الفاظ یہ ہیں۔ "اینہا دعوامی کنند کہ شیعہ من اند ارادہ قتلِ من

کردند و مال مرا غارت کردند"۔

سبائیوں کی بیوفائی اور غداری کے یہ چند واقعات تو وہ تھے جو واقعۂ کربلا سے قبل ہو چکے تھے اب ایک واقعہ کربلا کے بعد کا بھی نمونہ کے طور پر ملاحظہ کر لیجئے :۔

۱۔ قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی نے اپنی کتاب تاریخ ملت سوم میں ص ۱۰۶ پر (غالباً ابن اثیر کی تاریخ کامل سے لیکر) لکھا ہے بصرہ میں ابن زیاد کو جب یزید کے انتقال کی خبر پہونچی تو اس نے عام جلسہ میں یہ تقریر کی :۔

"اے اہل بصرہ تم فوج میں پہلے ستر ہزار تھے اب ایک لاکھ ہو۔ انتظامی عہدوں پر پہلے نو ہزار تھے آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یزید کا انتقال ہو گیا اور شام میں تخت نشینی کے لئے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تم کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔ ۔ ۔ ۔ الخ

یہ سنکر حاضرین نے کہا" آپ کی تجویز معقول ہے ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس منصب کا اہل نہیں پاتے ہاتھ بڑھائیے کہ ہم بیعت کریں" ابن زیاد نے تین مرتبہ تو انکار کیا لیکن جب انکا اصرار بڑھا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے خلافت کی بیعت لے لی مگر اہل عراق کی فطرت بدل سکتی تھی ادھر بیعت کر کے نکلے ادھر انھوں نے دیواروں سے ہاتھ مل مل کر کہنا شروع کیا" کیا ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم راج کے زمانہ میں بھی اور نراج کے زمانہ میں بھی اسکی اطاعت کر لیں گے" (انتہی)

مطلب یہ کہ امن کا زمانہ ہو یا شورش کا ہم تو سرکشی کرنے کی ٹھان ہی چکے ہیں۔

پھر یہی اہل کوفہ تھے جنھوں نے اپنے امام علی رضا رحمہ اللہ پر پر قاتلانہ حملے کیے (دیکھو جلاء العیون) ان اہل کوفہ کے بارہ میں شیعوں کے اکابر علماء کے دو اقوال غور سے پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں ایک احتجاج طبرسی ص۳۰ پر مصنف نے بتایا ہے کہ "اہلبیت نبی کے قتل سے تشیع میں خلل نہیں آتا"۔ دوسرے یہ کہ ملا نور اللہ شوستری نے مجالس المسلمین میں بتایا ہے کہ "کوفیوں کا شیعی ہونا ایک کھلی حقیقت ہے انکے اپنے الفاظ یہ ہیں: "تشیع اہل کوفہ حاجت بہ دلیل ندارد ... (آگے ہے) چوں ایں اخبار (از مراج : وفات سیدنا معاویہؓ - خلافت یزید) بہ اہل کوفہ رسید شیعان کوفہ درخانہ سلیمان بن صُرَد خزاعی جمع شدند۔"

غرض کوفہ ۳۵ھ ہی سے سبائی پارٹی کا مرکز رہا کیا ہے سیدنا حسینؓ نے انہیں سے کسی واقعہ سے عبرت نہ لی۔ وہاں والوں کی فتنہ انگیزی کی تکنیک یہ تھی کہ گورنروں کے خلاف شکایات کرتے رہو حکومت کو پریشان کرتے رہو۔ اب جو ہم سیدنا حسینؓ کے پاس کوفہ ہی سے حکام کی شکایات کے خطوط اور وفد آتے دیکھتے ہیں تو ہم کو اس یکسانی سے ایک سو ایک فیصد یقین ہو جاتا ہے کہ قاتلان حسینؓ یہی کوفی تھے جنھوں نے انکو بلایا تھا۔ ہمارے صاف دل علماء سنت دراصل قاتلان حسینؓ کی اس خط بازی اور جعل سازی کی تکنیک سے بالکل بے خبر تھے ہیں اور

اس لئے وہ وضعی روایات اور پروپگنڈے سے متاثر ہو گئے ؎

انھیں لے دے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ "ابن سعد و یزید و ابن زیاد اس شہ کے قاتل تھے"

کربلا کے معاملہ میں ہمارے اکابر نے درایت سے مطلق کام نہیں لیا صرف جذبات اور عقیدت مندی سے ہر روایت کو آنکھ بند کرکے مانتے رہے۔ روایت پرستی نے ملت کا جو حال کیا ہے اسے علامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

شبہہ (۹) حضور صلعم نے شہادت فاروقی کے ساتھ جس "قیامت رس" فتنہ کی پیشین گوئی کی تھی اور جس فتنہ کی بھڑکانے والی جماعت کو "الفئۃ الباغیۃ" کا لقب دیا تھا، جس کے حسب ذیل سیاہ کارنامے ملت کو پریشان کر چکے تھے :۔

شہادت عثمانؓ ۔ شہادت عمارؓ ۔ شہادت طلحہؓ و زبیرؓ ۔ شہادت علیؓ ۔ جنگِ جمل ۔ جنگ صفین ۔ فتنۂ کنز ۔ فتنۂ وصایت علیؓ ۔ فتنۂ الوہیتِ علیؓ وغیرہ وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ کیا واقعۂ کربلا کے وقت وہ فتنہ دنیا سے ختم ہو چکا تھا؟ وہ ختم تو ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ حضورؐ نے تو فرمایا تھا "شہادت عمرؓ سے جس فتنہ کا دروازہ کھلے گا وہ قیامت تک بند نہ ہوگا"۔ (اور فرمایا تھا کہ "شہادت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں کی تلوار آپس ہی میں چلے گی"۔ ان ارشاداتِ نبوی کے پیش نظر ہم مجبور ہیں کہ اس فتنہ کو محرم سنہ ۶۱ھ میں بھی موجود

مانیں۔ پس اگر وہ سنہ ۶۱ھ میں موجود تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ محرم سنہ ۶۱ھ کے واقعۂ ہائلہ کربلا کو اسی کا کارنامہ کیوں نہ مانا جائے! جب لڑکا بغل میں موجود ہو تو شہر بھر میں اسکی تلاش اور ڈھنڈھورا پیٹنا یا تو بے عقلی ہے یا فریب دہی! اگرچہ اس حادثہ کے بارے میں فتنہ گروں نے انتظامات کچھ ایسے ہی کر دیئے ہیں کہ بے ساختہ غالب کا یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

کہہ سکے کون کہ "یہ فتنہ گری کس کی ہے
"جال پھیلایا کچھ ایسا کہ اٹھائے نہ بنے

مگر یاد رکھیے کہ فتنۂ ابن سبا کو ملائے بغیر کربلا کے واقعات کو پڑھکر عام طور پر لوگ اصل سبب جنگ کو سمجھ نہیں سکتے اور اسی نہ سمجھ سکنے کی وجہ ہی سے اسکے مصنفِ اول کے دروغ نے بے انتہا فروغ پالیا۔ مگر فلسفۂ تاریخ کا ایک رمز شناس، اجتماعیات اور عمرانیات کا ایک ذہین طالب علم اور تجسس اور تفتیش کا ایک ماہر تو مذکورہ قرائن کو دیکھکر فوراً ہی کہدیگا کہ ؎

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من "انداز قدت" را می شناسم

اسے سو فیصدی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حادثۂ کربلا بھی اسی فتنہ پرداز ٹولی کا ایک کرشمہ تھا۔ کیونکہ اس فتنۂ باغیہ (باغی ٹولی) کا سیاسی پروگرام عرصہ سے یہ چلا آرہا تھا:۔

(الف) بظاہر خوب متقی اور عبادتگذار بنے رہو اور لباس علماء و صلحاء کا پہنو تاکہ مسلمانوں کو تم پر اعتبار رہے۔

(ب) ملک میں امن نہ قائم ہونے دو، مختلف تدبیروں سے شورش پھیلاتے رہو۔

(ج) حکام کے خلاف فرضی شکایات کے خطوط مسلسل ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجتے رہو۔

(د) صحابہ رسول و ذی اثر افراد کو انتقام کا نشانہ بناؤ۔ انکی بدگوئی کر کے انکو بدنام کرو۔ موقع پاکر قتل کردو اور نام دوسرے کا لگادو۔

(ہ) تعلیمات اسلامی کو تحریف لفظی و معنوی۔ حذف و اضافہ سے اس قدر بھر دو کہ تعلیمات کو مشکوک و مشتبہہ دیکھکر لوگوں کو دین ہی سے نفرت پیدا ہو جائے۔

(و) صحابہ رض و تابعین کے حلقہ ہائے درس میں طالب علم بنکر شریک رہو اور روایات میں کہیں اسناد میں خلط کردو اور کہیں متن میں حذف و اضافہ کردو۔

(ز) ممتاز صحابہ رض کے صحیح مناقب کو ذہنوں سے مٹادو اس طرح کہ کم ممتاز صحابہ رض اور صغار صحابہ رض کے بارے میں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر پھیلانا شروع کردو (انتہیٰ)۔

اب آپ کوفہ والوں کی اس روش کو جو انھوں نے سیدنا حسین رض کو بلانے میں اختیار کی ہے غور سے دیکھئے تو آپ کو دونوں تکنیک میں بڑی یکسانی ملے گی۔

(الف) کوفہ میں حجر بن عدی۔ سلیمان بن صرد۔ مالک اشتر وغیرہ متفق

بنے پھرتے رہے کہ بعض صحابہؓ تک کو ان پر اعتماد رہا۔

(ب) سیدنا حسینؓ سے قبل سیدنا حسنؓ پر قاتلانہ حملہ کیا اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کو شہید کر کے بدامنی پھیلائی۔

(ج) کوفہ کے حکام اور رؤسا بھی حضرت سیدنا نعمان بن بشیرؓ صحابی رسول صلعم عمرو بن سعد حضور کے ماموں زاد بھائی اور تابعی کو ظالم مشہور کیا۔ سیدنا حسینؓ کے پاس فرضی شکایات کے دوسو خطوط بھیجے۔ بیس پچیس بلکہ زائد قاصدوں سے زبانی کہلایا۔ خطوط میں سیدنا معاویہؓ صحابی رسول صلعم کو سیدنا حسینؓ کا دشمن، غاصب لکھا۔

(د) سیدنا عمارؓ کو خود قتل کر کے سیدنا معاویہؓ کے لشکر کا نام لگا دیا۔ سیدنا حسنؓ کو انکی بیوی سے زہر دلوا کر کبھی یزید کا اور کبھی سیدنا معاویہؓ کا نام لگایا۔ حضرت طلحہؓ کو چھپ کر تیر سے شہید کیا اور مروان کا نام لگا دیا۔ حضرت علیؓ و معاویہؓ اور ابن العاص پر یہ کہکر حملہ کیا کہ ملک میں شورش انہیں تینوں کی وجہ سے پھیل رہی ہے۔ یہ نہ رہیں گے تو امن قائم ہو جائے گا۔ اللہ اکبر۔

بڑے پاک طینت، بڑے صاف باطن
ریاض! آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ان اکابر صحابہؓ کے بعد انھوں نے سیدنا حسینؓ کو بھی تاکا اور انکے بھولے پن سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا۔ اگر سیدنا حسینؓ کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ غالباً انکی طرف نہ جھکتا

(ہ) قرآنی تفسیر اور حدیثی روایات میں حذف و اضافات و تحریفات

سے دین اسلام کا حلیہ بگاڑ دینے میں اپنی طرف سے انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی (یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی مساعیٔ خبیثہ کو بے اثر بناتے رہے) چونکہ انکو تمام صحابہؓ رسولؐ سے بغیظ و بغض تھا اس لیئے تمام صحابہ کو تو کفر و نفاق کا الزام دیکر ان سے لوگوں کو متنفر بنانا چاہا مگر علی، حسنین، مقداد، ابوذر، سلمان رضی اللہ عنہم کو بھی دوست و خیر خواہ بنکر بدنام کیا بالکل بے تکی اور مبالغہ آمیز تعریفوں کے ذریعہ انکو بھی ناقابلِ اعتماد ہی بنا چھوڑا یعنی یوں تو انھوں نے عام صحابہؓ ہی سے دشمنی کی مگر خاص کر دو قبائل کے ممتاز افراد کو دو الگ الگ پالیسی سے سخت بدنام کیا، ایک بنی امیہ کو کذب و افترا سے بھری برائیاں کرکے اور دوسرے بنو ہاشم کو وضع و مبالغہ سے بھری ہوئی تعریفیں کر کے چنانچہ آج آپ تفاسیر قرآن کا (اہلسنت کا) ذخیرہ اٹھا کر دیکھیئے یا ذخیرہ احادیث دیکھیئے ہر جگہ آپ کو جا و بیجا موقع و بے موقع حضرات علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین رضی اللہ عنہم کا ذکر اس حد تک ملیگا کہ آپ گھبرا کر ایکبار تو یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات انھیں ذوات اربعہ کی گنجائش اور انھیں کے مناقب اور کمالات ہی کی نمائش کیلئے پیدا کی ہے۔ باقی رہے خود اللہ میاں یا حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تو یہ (نعوذ باللہ) محض تبعاً ضمناً اور انھیں چار دل کے طفیل ہی میں انکی مان جان ہے ورنہ اصل وہی چار ہیں (العیاذ باللہ) خدا جانے ایسی بے سر و پا روایات کے بعد کوئی صحیح العقل غیر مسلم اسلام

ہیں پھر کیا حسن اور کشش پا سکتا ہے ؟ سچ کہا ہے کسی نے ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی   یہ امت روایات میں کھو گئی

(ز) اسی فتنۂ باغیہ کی ایک جماعت نے اپنی انہیں فاسد اغراض کے پیش نظر دورِ بنی امیہ میں عراق میں ہزاروں جھوٹی حدیثیں گھڑ دیں کہ محدثین اور علماء رجال کی بے حد چھان بین کاٹ چھانٹ کے بعد بھی نمعلوم کے سو غلط حدیثیں تو امت میں شائع ہو ہی گئیں۔ ہمارے سادہ دل علماء و عوام جو شہادت حسینؓ کے واقعہ کو ایسے ماضی اور ایسے ماحول کے چوکھٹے سے الگ رکھکر دیکھنا پھر رائے قائم کرنا اور کسی کے مجرم ہونے کا حکم لگانا چاہتے ہیں کیا قیامت تک وہ کسی صحیح فیصلہ پر پہونچ سکتے اور اصل مجرم کو متعین کر سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں

شبہہ (۱۰) اگر فی الواقع یزید یا ابن زیاد یا ابن سعد۔ شہادت حسینؓ جیسے ظلم عظیم کے مجرم تھے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ عام فلسفہ گناہ کے مطابق بھی اور پہلی صدی کے مسلمانوں کی دینداری کے پیش نظر بھی کبھی تو ان افراد پر ندامت، توبہ، گریہ و پشمانی بھی طاری ہونی چاہیے تھی یہ لوگ ایسے دور میں تھے جب گنہگار کو گناہوں پر ندامت عام تھی مگر کتنا عجیب معاملہ ہے کہ اس جرم پر ندامت و توبہ و گریہ کا دورہ کوفہ کے "متقی" (یا تقیہ باز) پبلک پر توڑ گیا یہاں تک کہ تاریخ نے ابن صرد خزاعی وغیرہ کی توبہ تو ریکارڈ کی ہے مگر یزید۔ ابن زیاد کی توبہ۔ اعتراف گناہ کا کہیں ذکر نہیں۔ شہادت حسین کے مجرم تو یزید اور ابن زیاد

سمجھے اور سمجھائے جاتے ہیں مگر ابن صُرد خزاعی وغیرہ کوفیوں کو قتل حسینؓ کا مجرم نہ دنیا جانتی ہے اور نہ یزید کے سوا کسی دوسرے کو مجرم سننا پسند کرتی ہے۔ حالانکہ یہی ابن صُرد تھا جس نے ۶۵ھ میں (شہادت حسینؓ کے چار برس بعد) کوفہ میں "توابین" کے نام سے جمع ہو کر خود اعتراف گناہ کیا۔ اپنے گناہ (قتل حسینؓ) کو یاد کر کر کے یہ لوگ کچھ عرصہ تک مسلسل روتے رہے۔ اب ہم حیران ہیں کہ اس اقرار کے بعد قتل حسینؓ کے مجرم کو کہیں اور ڈھونڈھنے اور باور کرنے یا باور کرانے کو دھوکا دینے والوں کی فریب دہی کا کمال شاہکار سمجھیں یا دھوکا کھانے والوں کی سادہ لوحی کا!

توابین کی تاریخ

توابین کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ شہادت حسینؓ کے بعد کچھ اہل کوفہ کو حضرت حسینؓ کے ساتھ اپنی بدعہدی اور بیوفائی پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے طے کیا کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ قاتلین کو قتل کیا جائے یا اس کوشش میں اپنی جانوں کو قربان کر دیا جائے

ع۵ - کیا کہنا ہے اس معصوم فریب کا گویا قاتل یہ نہیں کوئی دوسرا ہے۔ ع - اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا۔ حضرت زین العابدینؒ تو انھیں سلیمان وغیرہ کوفیوں کو قاتل حسین بتائیں اور یہ قاتلین ہی جمع ہو رہے ہیں کہ قاتلین کو کہیں اور تلاش کر کے یا قتل کریں یا خود جان دیدیں اور یہ کار ثواب بھی شہادت حسینی کے چار سال بعد!!

(بقیہ آگے)

ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور سلیمان ابن صُردؓ خزاعی "مشہور محب اہلبیت" کو اپنی تحریک کا رہنما قرار دیا" (تاریخ ملت سوم ص۶۷ مصنفہ قاضی العابدین میرٹھی)۔

اب غور کیجئے جو علماء یا عوام اہلسنت شہادت حسینؓ کا الزام امیر یزید کے سر لگاتے اور اسے لعن طعن کرکے یا پلید کہہ کے سکون قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تو انکوان کوفی "مگرمچھوں کے یہ تاریخی آنسو" معلوم ہی نہیں یا وہ کذّاب مورخوں کی جھوٹی داستانوں سے مرعوب اور محرمی ضربات ماتم کی موسیقیت سے مسحور ہوکر اسپر غور ہی نہ کرسکے کہ زید کے گناہ پر خالد کی گریہ وزاری اور توبہ واستغفار یا تو بے معنی ہے یا پھر کوئی گہرا فریب ہے ورنہ یہ معاملہ کہ "جرم کرے یزید اور توبہ وزاری کریں کوفی" دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ہ

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔ یہ ہیں دس شبہے یا دس جرحیں کربلا کے مشہور عام حالات پر اگر انکے صحیح حل ہاتھ آجائیں تو کذّاب مورخین کا سارا فریب دھواں بنکر اڑ جائے۔ اس خیال سے ہم اپنی جیسی کوشش صحیح حل کے

غور کیجئے اس میں بھی انکی قدیم تکنیک کارفرما ہے کہ جرم کریں خود اور کمال فنکاری سے اسکا الزام دوسرے کے سر تھوپنے کی کوشش کریں اور یہ نیا منصوبہ بھی ہے اسی مقصد سے کہ اب اس بہانے مسلمانوں کی مزید خونریزی کیجائے۔

تلاش کی کرتے ہیں لیکن چونکہ اس راہ میں سب سے بڑا سنگِ راہ بلکہ کوہِ گراں "علماء اہلسنت کی تحریریں" ہیں اسلئے ہم پہلے اس سلسلہ کے چند امور کو عقل سلیم کی روشنی میں صاف کرلینا چاہتے ہیں۔

فصل سوم

یزید اور مخالف علمائے اہلسنت

سانحہ کربلا کی تحقیق کے راستہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں بعض علماء اہلسنت کے کچھ اقوال ہیں جو بیحد مشہور ہو گئے ہیں سوا تیرہ سو برس سے نجانے کتنے ہزار علماء اہلسنت نے اس سانحہ کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھا اور دکھایا۔ سنا اور سنایا۔ سمجھا اور سمجھایا جو اسکے مصنف اول ابو مخنف کذاب (م ۱۵۷ھ) کا تھا۔ تعجب ہے کہ ہمارے اکابر کو اس نقطۂ نظر میں نہ کچھ نکارت محسوس ہوسکی اور نہ انکو اسکا ادراک ہو سکا کہ انکے بعض اقوال سے بعض صحابہؓ کی بدگوئی ہوتی ہے اور صحابہؓ پر غلط الزام آرہا ہے۔ ہم ذیل میں دس اکابر کے کچھ اقوال نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔ یہ اقوال ہیں جن سے عام امتِ مرحومہ برابر مرعوب و متاثر ہوتی رہی اور دھوکا کھاتی رہی۔

۱۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ: (۱) کہا جاتا ہے کہ انھوں نے یزید کو کافر کہا (۲) تفسیر مظہری اور روح المعانی میں ہے کہ انھوں نے قرآن سے لعن یزید ثابت کیا ہے (اسکی تحقیق آگے آرہی ہے)۔

۲۔ محدث ابن التینؒ: (۱) انھوں نے بخاری کی حدیث مغفورٌ لھم میں یہ توجیہہ نکالکر (کہ یہ حدیث مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ یزید مغفرت کا مستحق بھی رہا ہو ورنہ اس غزوہ کے بعد اگر کوئی مرتد ہو گیا ہو تو وہ اسمیں داخل نہیں) اسکا فائدہ یزید کو نہیں پہونچنے دیا۔

۳۔ علامہ تفتازانی: شرح عقائد میں لکھتے ہیں "خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ یزید پر لعنت نکرنی چاہیئے اور بعضوں نے یزید پر لعنت کی بھی ہے کیونکہ اس نے جب حسینؓ کے قتل کا حکم دیا اسی وقت وہ کافر ہو گیا .... اس لئے ہم تو اسکی شان بلکہ اسکے ایمان میں بھی توقف نکرینگے اور کہیں گے کہ خدا کی لعنت اسپر" (ملخصاً)۔

۴۔ امام سیوطیؒ: تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں "یزید شہادت حسینؓ پر پہلے خوش ہوا پھر لوگوں کی ملامت پر نادم ہوا۔ لوگ اس سے بُغض رکھنے لگے اور بجا رکھنے لگے۔

۵۔ شاہ ولی اللہ: شرح تراجم ابواب بخاری میں لکھتے ہیں کہ چونکہ جہاد مکفر سیئات ہے اس لئے جہاد قسطنطنیہ سے قبل کے یزید کے گناہ کا معاف ہونا مغفورٌ لھم سے معلوم ہوتا ہے اس غزوہ سے بعد کے گناہ اسمیں داخل نہیں۔

۶۔ شاہ عبدالعزیزؒ: اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں" ابھی مدینہ، مکہ، کوفہ کے لوگ

یزید پلید کے تسلط پر راضی نہ تھے ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت حسین رضؓ اس غرض سے نکلے تھے کہ یزید کا تسلط دفع کریں ۔ ۔ ۔ ۔ یہ غرض نہ تھی اسکا تسلط رفع کریں ۔ (فتاویٰ عزیزی ص۲۵۴ ملخصاً) ۔ مولانا قاسم نانوتوی رح بھی اُسے پلید کہتے ہیں ۔ مجدد الف ثانی یزید کو بدبخت فرماتے اور اسکی توبہ کرنیکے امکان سے کے باعث اسے بُرا نہیں کہتے ہیں

۸ - مولانا تھانوی رح : وعظ حقیقۃ الصبر ص۲۶ تا ۲۹ میں لکھتے ہیں "آپ (سیدنا حسین رضؓ) کے نزدیک یزید کو خلافت سے معزول کرنا واجب تھا ۔ ۔ ۔ بکثرت ایسے مسائل ہیں جن میں ایک امام تمام عالم سے تفرد کرتا ہے ۔ ۔ ۔ شہادت کی تمنا ہر قلب مسلم میں ہے مگر ہاں کسی موقع پر پیش قدمی کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ موقع شہادت حقیقی کا موقع ہو جسمیں شرعاً جان دینا مطلوب ہے اور اگر شرعاً کسی موقع پر شہادت میں شبہہ ہو جائے تو وہاں عارف کبھی جان نہ دیگا "

۹ - سید محمود آلوسی : انھوں نے بھی مثل علامہ تفتازانی کے پہلے تو تسلیم کیا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے کافر نہ کہا جائے ۔ خلاصہ وغیرہ میں یہی ہے مگر ہم تو توقف نہ کرینگے یہ کہیں گے کہ خدا کی لعنت اسپر اور اسکے اعوان و انصار پر ۔ (ملخصاً) ۔

۱۰ - مولانا گیلانی رح : لکھتے ہیں فرات کے ساحل پر اپنے رسول صلعم کے نواسے اور انکے خاندان کے پیاسے شہیدوں کے معصوم بہتے ہوئے لہو سے یہ (بنی امیہ) اپنی حرص و آز کی پیاس بجھا چکے تھے " (رسالہ الفرقان بابت ذیحجہ ۱۳۵۸ھ ص۱۳) ۔

ہم نے نمونہ کے طور پر دس اکابر علما اہلسنت کے اقوال ملخصاً لکھ دیئے لیکن چونکہ (بقول شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ) "علما ربانی مجتہدین کے اجتہادات کو قرآن اور سنت پر پیش کرنے سے امت کو بے نیاز نہیں ہو سکتی" اسلئے ہم ان اکابر کے خیالات (بلکہ شاید عقائد) مذکورہ کو قرآن وحدیث کے عام اصول اخبار داستخبار پر پیش کرکے ذرا جانچنا بھی چاہتے ہیں اگر یہ اقوال، تعلیماتِ کتاب وسنت کے مطابق سنے اور سنائے گئے ہیں. تو ہم بھی انکو قبول کرلیں گے اور اگر تعلیماتِ کتاب وسنت کے خلاف بولے اور لکھے گئے ہونگے تو ہم انہیں اکابر کی برکت سے صاف کہتے ہیں کہ ان اکابر کی جلالتِ قدر کے اعتراف کے باوجود نہایت ادب سے ان تمام اکابر کے اقوال کو کتاب وسنت کے سامنے غلط سمجھیں گے اور رد کردیں گے۔ ہم اپنے خیال کو ذیل کے سات نقطوں میں تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) اقوال اکابر اور تعلیمات کتاب وسنت متعلق خبر۔

(۲) اقوالِ اکابر کی قباحتیں ۔

(۳) خود ان اکابر کی ناگواری کا احتمال عالم برزخ میں

(۴) یہ اکابر کچھ معذور بھی تھے ۔

(۵) اکابر سے اختلاف کہیں انکے مقام عالی کو مجروح ومشکوک نکردے۔

(۶) بعض اقوال اکابر کے بعض خاص جوابات اور انکی حقیقت ۔

(۷) ان علماء کے نام جو یزید کے موافق ہوں ۔

بظاہر مجھ جیسے شخص کا ان اکابر سے اختلاف کرنا یا انکی تردید کرنا ایک بڑی ہی جسارت اور چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہوگا مگر بعض مواقع ہوتے ہی کچھ ایسے ہیں کہ چھوٹوں کو بڑوں سے اختلاف کرنا انکے سامنے زبان کھولنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ "عرض امانت" کے موقع پر ملائکہ جیسی قدوسی جماعت۔ جن جیسی طاقت ور جماعت۔ آسمان جیسی وسیع سقفِ محفوظ۔ زمین جیسی عریض و وسیع مخلوق۔ پہاڑ جیسی گرانڈیل مخلوق کی خاموشی، ابا، اور جھجک دیکھکر ظلوم و جہول انسان ضعیف البنیان کو بولنا ہی پڑگیا خود میرا ایک شعر ہے ؎

ڈر گئے ارض و سما بار امانت سے مگر
مجھ سے دیکھا نہ گیا "حکم کا رُسوا ہونا"

اس لئے ہم پہلے تو حق تعالٰے سے ان اکابر کی برکت و تقلید میں حق گوئی کی ہمت مانگتے اور ساتھ ہی ساتھ ان بزرگوں کی شان عالی میں ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔ اس کے بعد عرض کرتے ہیں۔

نقطۂ اول : اقوال اکابر اور تعلیمات کتاب و سنت متعلق خبر

(۱) قرآن میں صفات عباد الرحمٰن میں (بہ صیغۂ خبر) ارشاد ہے کہ عباد الرحمان تو قرآن کی آیات پر بھی اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں "تا بہ چیز دیگر چہ رسد)۔

دوسری جگہ بصیغۂ انشاء حکم ہے کہ اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو ذرا اسمیں تبین بھی کر لیا کرو" اب با ادب عرض ہے کہ اس نالائق کے نزدیک ان اکابر کے یہ اقوال تاریخی، قرآن کے ان ارشادات کے خلاف ہیں۔ واقعۂ کربلا پر سب سے پہلی کتاب ابو مخنف کذاب کی اور دوسری طبری تبرائی کی ہے اور دوسرے تمام مورخوں نے انہیں کی کتابوں سے واقعات نقل کئے ہیں۔ ابو مخنف اور طبری یقیناً فاسق لوگ ہیں انکے افکار کو بغیر تبین کے لے لینا اسپر اندھے بہرے ہو کر ٹوٹ پڑنا شان علم کے۔ شان تقویٰ و احتیاط کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن میں جو آیا ہے کہ لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا اسمیں مسلمانوں کو رہتی دنیا تک کے لئے صاف ممانعت ہے کہ غیر مسلموں، یہودیوں کے زہر نفاق و کفر سے بھرے ہوئے الفاظ کو دہرانے لگیں۔ اسکے پیش نظر ان اکابر کا ایسے احوال تاریخی پر ٹوٹ پڑنا، تبین سے کام نہ لینا۔ مفسدوں کے اقوال کو دہراتے چلے جانا تقویٰ و احتیاط کے سخت خلاف تھا۔

(۲) حدیث میں ہے کفیٰ بالمرءِ کذباً ان یُحدّث بکلّ ما سَمِعَ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے بغیر تحقیق اور درایت کے اور بغیر تبین اور تفحص کے دوسروں سے نقل بھی کرنے لگے یہ حدیث بظاہر مذکورہ آیت دوم سے ماخوذ اور اسکی تشریح ہے۔ امیر یزید تابعی کو مجرم قرار دینے میں تو زیادہ احتیاط کرنا لازم تھا۔ ہر تاریخی روایت کو بغیر تبین کے نقل نہ کرنا چاہیئے تھا۔

(۳) اہم واقعہ پر گرد و پیش اور فضا کے حالات پر بھی نظر ڈالنی ضروری ہے۔ اکثر واقعات تو ماحول ہی کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں وہ باغی ٹولی بھی موجود تھی جس کا مرکز کوفہ تھا اور جس نے یکے بعد دیگرے حضرات عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ علیؓ و عمارؓ کو شہید کیا اور سیدنا حسنؓ امیر معاویہ بن العاصؓ پر قاتلانہ حملے کیئے۔ آخر شہادت حسینؓ میں انکی تفتیش اور خانہ تلاشی کیوں نہیں لیجاتی؟ اکابر نے انکو کیا سمجھ کر نظر انداز کیا؟

(۴) تبیینؔ اور تفحص، درایت اور تحری کے چند موٹے اصول ہیں جو اصول کی کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں۔ (الف) کسی واقعہ کے لئے عینی شاہد چشم دید گواہ، شریک واقعہ کا قول سب سے زیادہ معتبر چیز ہے (ب) شہید کے ورثاء کا طرز عمل دیکھا جائے کہ ملزم کے ساتھ اور اسکے گھر والوں کے ساتھ ان ورثاء کا طرز عمل اور طرز معاشرت کیسا تھا؟ اس لیئے کہ شہید کے گھر والوں سے زیادہ صحیح واقعہ کی شکل کسی کو معلوم ہو سکتی ہے نہ ان سے زیادہ کسی کو صدمہ ہو سکتا ہے۔ پھر ملزم و قاتل کا جواب و بیان بھی سننا بہت ضروری ہے (ج) اسکے بعد واقعہ کے بارے میں ہمسر و ہمعصر حضرات کے بیانات کو سنا اور دیکھا جائیگا (د) ملزم کو شبہ کا فائدہ بھی ملنا چاہیئے اگر کچھ قرائن قوی ایسے ہوں جو الزام قتل کو مشکوک کرتے ہوں یا کوئی دوسرا اقرار جرم کر رہا ہو تو انکا بھی لحاظ کرنا چاہیئے (ہ) الزام لگانے میں اگر مشہور کاذب اور مفتری افراد و جماعت شہادت دیں اور الزام لگائیں تو انکی شہادت غیر معتبر ہوگی۔ انکے متعلق ہم دس شبہے تفصیل سے پہلے بیان کر آئے ہیں یہاں

یہاں مختصراً انکا کچھ ذکر پھر کئے دیتے ہیں:-

(الف) شریک واقعہ حضرات میں ہم کو علی زین العابدین اور حسن مثنیٰ رحمہما اللہ کے نام ملتے ہیں۔ حضرت علی زین العابدین تو کوفیوں کو کہتے ہیں "خدا کی پناہ تم بھی کتنے جھوٹے اور خدا پر جری ہو" اور حضرت حسن مثنیٰ فرماتے ہیں ایک رافضی سے کہ "اگر اللہ نے ہم کو تم پر قابو دیا تو ہم تمھارے ہاتھ پاؤں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور تمھاری معذرت و توبہ ہرگز نہ سنیں گے"۔

(ب) حضرت زین العابدینؒ نے تو یزید کی بیعت کی اور تین چار اموی خلفا کی مسلسل بیعت کرتے رہے۔ یزید کی دعوتیں کھائیں تحفے اور نذرانے لئے انکے گھرانہ سے یزید کے گھرانہ میں مسلسل انیس بیس قرابتیں ہوتی رہیں لڑکیاں بھی بیاہی گئیں اور لڑکے بھی۔ خود یزید ملزم کا بیان ہے کہ نہ میں نے قتل حسینؓ کا حکم دیا نہ اس پر خوش ہوں بلکہ وہ خبر سنکر رو دیا (ج) ہمعصر اور ہمسر صحابہؓ و تابعینؒ یزید کو قاتل نہیں جانتے تھے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال سنیئے:- ابن عمرؓ نے فرمایا: میں نے یزید کے ہاتھ پر اللہ رسول والی بیعت کی ہے (بخاری) اگر تیرے گھرانہ والوں میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی تو میرا اس سے تعلق ختم۔ خدا کے یہاں اسکی بازپرس ہوگی (بخاری) عراقی لوگ مچھر مارنے کا کفارہ تو پوچھتے ہیں حالانکہ حسینؓ کو انھیں نے بلاکر شہید کیا (بخاری) ابن عباس نے فرمایا: یزید اپنے گھر والوں میں خیر اور صالح آدمی ہیں۔ بنو حرب کے گھر والے لوگ (یزید وغیرہ) علماء ہیں"۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: یزید نماز کا پابند نیکی کا جویا۔ فقہی احکام کا

طالب، سنت کا پیرو ہے۔ شراب نہیں پیتا میں یزید کی مخالفت اور کسی مخالف کی موافقت ہرگز نہ کرونگا۔

(د) اہل کوفہ نے شہادت حسینؓ کے بعد ہی خود اقرار کیا ہے کہ "ہمیں نے حسینؓ کو بلایا اور ہمیں نے انکو شہید کیا یہ ہم سے بڑا گناہ ہوا"۔ یہ اقرار کر کے انھوں نے عرصہ تک گریہ اور توبہ کی اور اپنی جماعت کا نام ہی توابین رکھا۔ ملا نور اللہ شوستری خود کوفیوں کا یہ قول لکھتے ہیں "ما امام حسینؓ را طلب داشتیم و تیغ بر دے او کشیدیم" اسلئے ان خود اقراری مجرموں کو قاتل ماننا اور یزید کو از روئے شرع محمدی الزام سے بری جاننا ضروری تھا مگر ہمارے اکابر نے اسکو نظر انداز کر دیا۔

(ھ) الزام لگانیوالے ابو مخنف[1] لوط ازدی (م ۱۷۵ھ) محمد بن سائب[2] کلبی (موت ۱۴۰) ہشام[3] کلبی (موت ۲۰۴ھ) عمار[4] دہنی (موت ـــــ) طبری مورخ[5] (موت ۳۱۰ھ) جیسے لوگ ہیں۔ ابو مخنف کو امام ذہبی نے لا یوثق بہ۔ شیعی محترق صاحب اخبارھم لکھا ہے یعنی اسکی بات کا اعتبار نہیں۔ وہ ایک جلا بھنا شیعی ہے اور شیعوں کی تاریخ لکھتا ہے (میزان الاعتدال ۲/۳۱۱) اس نے سب سے پہلے مقتل حسین اور جنگہائے جمل و صفین پر اپنے فرقہ کے نقطہ نظر سے تین[3] کتابیں لکھے۔ محمد بن سائب کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ رجعت علی کا قائل اور غالی شیعی ہے۔ ہشام کو محدث ابن عساکر نے رافضی لیس بثقۃ لکھا ہے یعنی یہ رافضی ہے قابل اعتبار نہیں۔ عمار کا بھی حال ایسا ہی تھا

اب امت کی بدنصیبی کو اور حق تعالیٰ کے سوا قضا کو بجز انا للہ پڑھنے کے کیا کہیے کہ ہمارے ان اکابر نے جو اقوال کہے یا لکھے وہ ایسے بدمذہبوں کے موافق اور صحابہؓ و تابعین کے اقوال مذکورہ کے خلاف ہیں ان اقوال اکابر پر غور کرنے سے حضرت سیدنا امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص نعمان بن بشیر۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی محمد بن الحنفیہ تابعی کی تردید و بدگوئی نکلتی ہے اور ان سے بدظنی پیدا ہوتی ہے اور خود سیدنا حسین پر یا تو بغاوت و خروج کا اور کوفیوں سے سازش کرنے کا الزام آتا ہے یا جہاد فی سبیل اللہ سے پیٹھ پھیرنے کا الزام آتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان اکابر کو ان باتوں کا ادراک نہ ہو سکا۔

نقطۂ دوم: قباحتیں: ہمارے اکابر عشرۂ مذکورین کے اقوال سے میرے نزدیک کئی عقلی قباحتیں لازم آتی ہیں مثلاً (۱) یہ اقوال اکابر (جیسا ابھی اوپر گزرا) معاصر صحابہؓ۔ شریک کربلا حضرات کے اقوال واعمال کے معارض ہیں (۲) ان اقوال اکابر کے ماننے کے بعد تاریخ معتبر کے بہت سے ٹھوس واقعات کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے کوفی توابین کا خود اعتراف قتل۔ حسینؓ و یزید کے گھرانوں کی قرابتیں۔ زین العابدینؒ کا بیعت یزید کرنا (۳) ان اکابر کے ان بے خیالی کے اقوال سے بعض صحابہؓ و تابعینؒ پر (جیسا ابھی مذکور ہوا) طعن و سوء ظن پیدا ہوتا ہے۔ (۴) ان اکابر کی جلالت قدر سے متاثر ہو کر عام سنی انکے انھیں اقوال کو اپنا عقیدہ بنا لیتے

ہیں (۵) ان اکابر کے اقوال سے دشمنان دین کو تقویت ملتی ہے اور کم علم سنی آئمہ محققین کے خلاف دلیل پکڑتے ہیں (۶) ایسی مرعوبیت سے تحقیق کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور تقلید کورانہ کا گھن امت کو لگ جاتا ہے کیونکہ کسی کو ان بزرگوں کی غلطی کی تردید کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

نقطۂ سوم: عالم برزخ میں مذکورہ اکابر عشرہ کی ناگواری اور ایذار کا خیال وہم کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہ خیال ہم کو بعض اکابر کے بعض حالات سے بلکہ حضورؐ اور صحابہؓ کے بھی بعض حالات سے پیدا ہوا۔ حضورؐ نے جنگ بدر میں پہلے ایک جگہ فوج کو ٹھہرایا ایک صحابی نے آکر عرض کیا اگر یہ تجویز وحی سے ہے تب تو ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے اور اگر یہ محض آپکی ذاتی رائے ہے تو صحیح نہیں۔ فوج کو فلاں جگہ ٹھہرائیے۔ حضورؐ نے یہ ترمیم مان لی اور برا نہیں مانا۔ ابوبکرؓ نے خلیفہ ہو کر اپنے رویہ پر تنقید و اختلاف کی خود دعوت دی اور کہا فَقَوِّمُونی (مجھ سے غلطی ہو تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دینا)۔ عمرؓ نے کہا اللہ رحم کرے اس بندہ پر جو مجھے میری غلطی بتائے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں ؎

کو دشمن شوخ چشم و بے باک تا عیب مرا بمن نماید

حضرت تھانویؒ نے ایک طرف ترجیح الراجح کا سلسلہ کھول کر اپنی تصانیف پر تنقید کی خود دعوت دی اور دوسری طرف صوفیہ کے شجرہ پڑھنے کے سلسلہ میں ابن تیمیہؒ کی رائے سے بہ ادب اختلاف کیا اور انکی تردید کی ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل سے منسوب لعن یزید کو قرآن سے ثابت کرنے کے سلسلہ میں بہ ادب تردید کی ہے کہ اس لعن معین پر اس

آیت سے کیسے استدلال ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بعض مواقع پر صحیح ادب یہی ہے کہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اکابر سے اختلاف اور انکی بعض بشری غلطیوں کی تردید کیجائے۔ اکابر اسکا برا نہیں مانتے۔

نقطۂ چہارم: ان اکابر کے پاس کچھ عذر بھی ہیں: خدا گواہ ہے کہ ہمیں تو اسکا یقین کامل ہے کہ یہ اکابر صحیح العقیدہ تھے انکی نیتیں نیک تھیں اگر ان اقوال کی نسبت ان اکابر کی طرف غلط نہیں ہے تو پھر یہ حضرات حسب ذیل وجوہ کی بنا پر میرے نزدیک کچھ معذور بھی تھے (۱) ان اکابر نے ایسے اقوال محض بے اتفاقی میں کہدیئے۔ انکو اپنے اقوال کے ان مضمرات کا (جو نقطۂ اول کے خاتمہ پر مذکور ہوئے) احساس ہی نہ ہو سکا (۲) دشمنان اسلام نے نہایت عیاری سے ہر ہر طرح سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزید کو بدنام کرنے کا بے پناہ پروپیگنڈا کیا کہیں حکومت کے بل پر جبراً ایسی چیزیں پھیلائیں، کبھی زر، زن، زمین کا لالچ دے کر پھسلایا اور پھیلایا۔ کہیں بھک منگوں کو اسی غرض سے مختلف نظمیں یاد کرا کے گلی گلی پہونچایا اور بھولے سُنّی بچوں بوڑھوں، عورتوں مردوں کو سنوایا۔ آل رسول اور اہلبیت کے الفاظ کو ازواج مطہراتؓ امہات المومنین سے ہٹا کر ذوات اربع میں محدود کر دیا۔ محرم کی سال بسال نمائشوں سے اپنے فاسد عقائد و مقاصد کی تہ پر تہ چڑھاتے رہے اس سے فطری طور پر ہمارے یہ اکابر بھی غیر محسوس طور پر اور غیر ارادی طور پر متاثر ہوتے رہے

(۳) دشمنان صحابہؓ نے شعر و ادب، تاریخ کو اپنے فاسد اغراض سے بیحد مسخ کردیا اور اپنے مقاصد کے رنگ میں رنگ دیا۔ جس کا غیر محسوس اثر بے اختیارانہ ان اکابر نے بھی قبول کرلیا (۴) ان اکابر نے موجودہ روایات تاریخی پر اپنی صاف دلی اور حسن ظن سے اعتماد کرلیا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ وہ مورخ بظاہر مسلمان ہے تو انکو امید نہ تھی کہ کوئی مسلمان صحابہؓ پر طنز کریگا۔ انکو معلوم نہ ہوسکا کہ جو سب سے پہلا اسلامی تاریخ کا مصنّف ہے یعنی طبری وہ تبرّائی تھا۔ اس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام نامی کے ساتھ لعن لکھا ہے (جلد تیرہ ص)۔ (۴) یہ اکابر المومن غِرٌّ کریم کا نمونہ تھے انکو اپنے ایمانی بھولے پن اور اسلامی صاف دلی کے باعث وہم بھی نہ ہوسکا کہ سنہ ۱۶ھ کی سیاست اسلامی میں دشمنان اسلام ایسی منافقانہ پیچ در پیچ کارروائی کرینگے جیسی انھوں نے کی جسے میں نے اس رسالہ میں "انکشافِ حقیقت" کے عنوان سے دکھلائی۔ (۵) ان اکابر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بھی اور بواسطہ سیدنا حسینؓ بھی بے پناہ والہانہ محبت وعقیدت تھی اور بجا تھی۔ انکو دراصل قاتلِ حسینؓ پر غصہ تھا کیونکہ وہ سیدنا حسینؓ کی ایذا میں خود حضورؐ کی ایذا جانتے تھے اس سے وہ بے قابو ہوگئے، اتفاق سے تاریخ زور نے قاتلِ حسین یزید کو بتایا سال بسال کے محرم کے ڈھول تاشوں کے لاؤڈ اسپیکروں نے تاریخ زور کے اشتہار کو دو آتشہ سہ آتشہ کردیا الغرض ہمارے یہ اکابر غلبۂ حال میں تحقیق نکرسکے اور شہرت عام کو صحیح سمجھ بیٹھے۔ انھوں نے اپنا غصہ جو یزید پر اتارا

تو قاتلِ حسین سمجھ کر اتارا اسے تابعی اور نیکو کار جانتے ہوئے ہرگز نہیں اتارا۔
(۷) یزید کے خلاف ان اکابر کے اقوال کی حیثیت بس گویا یہ ہے کہ تاریخ زدوں نے یزید کے خلاف کچھ حالات بتا کر ان اکابر سے استفتاء کیا انھوں نے بتائے ہوئے حالات کے پیش نظر وہ فتویٰ دیدیا لیکن اگر اسوقت انکو صحیح حالات بتا کر استفتاء کیا جاتا یا آج صحیح حالات بتا کر استفتاء کیا جائے تو وہ یقیناً اسکے خلاف دیتے۔ حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں عبدالوہاب نجدی کے اچھے ہونے کا فتوا بھی موجود ہے اور بُرے ہونے کا بھی۔ یہ اختلاف مستفتی کے بیان حالات کی وجہ سے ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے لاؤڈ اسپیکر کے متعلق کچھ حالات سنکر اسکے عدم جواز کا فتوا دیا پھر دوسرے حالات سنکر اسکے جواز کا فتوا دیا۔ یہ اختلاف بھی مستفتی کے بیان کیوجہ سے ہوا (۸) ان اکابر کے زمانہ تک (یا انکے علم کی حد تک) مزید علمی تحقیقات مثلاً واقعۂ کربلا کے بعد بھی ہاشمیوں اور امویوں کی قرابتیں۔ توابین کا اقرار جرم حضرت زین العابدینؒ کی بیعت یزید وغیرہ منظر عام پر نہیں آنے پائی تھیں۔ اس لئے وہ عام مشہور تاریخ کی حد اور زد سے باہر کی بات سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر ان بزرگوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس سانحہ کے حالات میں بھی مفسدوں نے وقتاً فوقتاً تحریف، اضافہ۔ تبدیل کا عمل اسی طرح کیا جیسے توریت میں یہودیوں نے کیا۔ اس سانحہ کی نوعیت ۶۱ھ میں کچھ اور تھی، سو برس کے بعد کچھ اور ہوئی، دو سو برس کے بعد کچھ اور بدلی، اسطرح آج تو بالکل ہی بدل گئی ہے۔ ۶۱ھ کے متصلاً بعد

کسی نے یزید کو قاتل نہیں کہا تھا (۹) یہ اکابر بلا شبہ اپنے اپنے خاص علوم و فنون (مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، صرف ونحو) میں یقیناً ماہر تھے مگر تاریخ اور فلسفۂ تاریخ سے چونکہ ذوق تھا نہ انھوں نے اسکی طرف توجہ کی اسلیئے تاریخ زدگی کی گمراہیوں کو وہ مطلق نہ سمجھ سکے۔ خود تاریخ میں مہارت کو انھوں نے اپنے لیئے یا کسر شان سمجھا یا عام شہرت سے ہٹنے کی ہمت نہ کر سکے (۱۰) اکثر تو یہ ہوا کہ ان اکابر کی طرف بعض اقوال کی نسبت ہی غلط اور افترا ہے پھر انکی قلمی تصانیف لینے اور چھاپنے میں کاتبوں نے (جو اکثر امامیہ ہوتے ہیں) یا اہل مطابع نے بہت سی تحریفی کاروائیاں کر دیں مگر وہ غلط باتیں منسوب انھیں اکابر کی طرف ہوئیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی یا مولنا محمد قاسمؒ صاحب نانوتوی رحمہما اللہ کی تصانیف میں جو یزید کے ساتھ پلید بھی لکھا ہوا ملتا ہے ہمارا ذوق ایمانی اور حسِ تعظیمی اس اخلاقی گراوٹ کے صدور کا ان بزرگوں سے واقع ہونا قبول نہیں کرتا بھلا یہ اکابر بخاری میں ابن عمرؓ کا یہ قول بایعت ھذا الرجل الخ پڑھنے پڑھانے کے بعد کس طرح یزید تابعی کو مرنے کے بعد برا کہیں گے۔ کیا یہ حضرات اپنی نیکیاں قیامت میں یزید کو دے دینا پسند کرینگے حدیث میں حکم ہے کہ اذکروا موتاکم بالخیر تم اپنے مسلمانوں کے مردوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ کیا کرو"۔ کیا یہ بزرگوار ایک مسلمان مردہ یزید کو جس کو ابن عباس و محمد بن حنفیہ و ابن المبارک و احمد نے اچھا کہا جس کے لئے بخاری میں مغفور لہم کی بشارت بھی ہے برائی سے یاد کریں گے؟

اس طرح کی تحریف اور غلط نسبت کی مثالیں کم نہیں ہیں چند مثالیں سن لیجئے :- (الف) شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے نام سے ایک کتاب "سرّ الشہادتین" منسوب ہے مضمون اسمیں سراسر غیر معقول (ب) شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں "مجھ سے حضورؐ نے خواب میں فرمایا روافض کا مذہب باطل ہے انکے لفظ امام کو غور سے دیکھو" میں نے جو غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ روافض ایسے شخص کو امام مانتے ہیں جس پر وحی آتی ہو، جو معصوم ہو، جس کا حکم ماننا فرض ہو اور ظاہر ہے کہ یہ صفات نبی کے ہیں اور نبی اب کوئی آئیگا نہیں لیکن روافض حضورؐ کے بعد بھی بارہ آدمیوں کو معظم اور ان صفات کا حامل مانتے ہیں۔ انکا یہ عقیدہ عقیدۂ خاتم النبیین کو درہم برہم کر دیتا ہے قبّحھم اللہ" (انتہی)۔ ایسی صاف تحریر کے بعد بھی ہم کو شاہ صاحبؒ کی تصانیف میں اولاد سیدنا حسینؓ کے لئے برابر امام اور علیہ السلام جو لکھا ملتا ہے تو وہ ان امامیہ کاتبوں اور صاحبانِ مطابع ہی کی کارروائی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے فرشتوں کو بھی اس سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ عبارت منسوب انھیں سے ہوگی۔

نقطۂ خامسہ : اختلاف اور تردید سے اکابر کا مقام مجروح ہوتا ہے :- یہ خیال کہ میرے یا کسی کے ایک دو اعتراض سے اکابر کا مقام مجروح ہوتا ہے وہم کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان اکابر کا علم غزیر۔ ورع کامل۔ خدمات دین اخلاص۔ خشیّت۔ اتباع سنت۔ حب رسولؐ۔ حفاظتِ دین مُسلّم ہے۔ کسی کے اختلاف سے یا کسی مسئلہ میں انسے غلطی سرزد ہو جانے

سے نہ انکا درجہ کم ہوتا ہے نہ انکا مقام مجروح ہوتا ہے نہ ان پر سے کسی کا اعتماد اٹھ سکتا ہے کسی کے اختلاف کرنے یا انکی غلطی ثابت ہو جانے کے بعد بھی انکا درجہ وہی رہیگا وہ ویسے ہی ہمارے اور ساری امت کے محسن، پیشوا، رہینگے جیسے تھے۔ میری جسارت تردید و تنقید صرف ایک تاریخی مسئلہ میں ہے اور وہ بھی بدرجہ مجبوری ہے۔ غلطی لازمۂ بشر ہے یہ اکابر بشر تھے معصوم نہیں تھے۔ میں نے جو قلم اٹھانے کا قدم اٹھایا ہے تو یہ دیکھکر کہ عوام اہلسنت شہادت حسینؓ اور موقف یزید کے بارہ میں اگر کچھ تحقیق سے صحیح حالات معلوم بھی کر لیتے اور شہرت عام سے ہٹ کر کوئی رائے قائم بھی کرنا چاہتے ہیں تو ان اکابر کے یہ اقوال اسکی راہ میں ہمالیہ پہاڑ بنکر حائل ہوتے ہیں اور وہ بیچارہ ہمت ہار بیٹھتا ہے ان اکابر کے علوِ مرتبت اور جلالتِ شان سے مرعوب و متاثر ہو کر تحقیق کی اور صاف گوئی کی ہمت نہیں کرتا۔ اس لیئے میں نے چاہا کہ ایک بار ذرا ہمت کر کے اس "شجرہ ممنوعہ" کو کھا ہی لیا جائے ممکن ہے قدرت کو بھی منظور ہو کہ جب تک یہ گناہ نہ کیا جائیگا اسوقت تک گوناگوں انعامات کا حصول ممکن نہیں۔ اب دوسروں کے لیئے بھی تحقیق کی راہ کھل جائیگی۔

خارہا از اثر گرمیٔ رفتارم سوخت
منتے بر قدم راہ روانست مرا

نقطۂ سادسہ: اکابر عشرہ مذکورہ کے اقوال مذکورہ کے کچھ جوابات بھی ہیں، وہ یہ کہ :-

۱۰۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کیطرف تکفیر یزید اور لعن یزید خالص کذب وافترا و وضع دجعل اور فریب و دجل ہے یعنی مشہور تو یہ ہے (جیسا تفسیر روح المعانی اور مظہری سورۂ محمد میں لکھا ہے) کہ امام احمد نے اپنے بیٹے صالح سے اور بعض روایات میں اپنے بیٹے عبداللہ سے) کہا جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے بھلا وہ کیسے اس شخص یزید سے محبت کر سکتا ہے جس پر اللہ نے قرآن میں لعنت کی ہو۔ بیٹے نے پوچھا۔ یزید پر قرآن میں لعنت کہاں ہے؟ فرمایا سورۂ محمد میں ھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض ۔۔۔ (الی) ۔۔۔ لعنھم اللہ (مولانا تھانویؒ نے اسی کے متعلق لکھا ہے کہ اس آیت سے لعنت یزید (لعن معین) پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے) لیکن آپ کو یہ سنکر کسقدر حیرت ہوگی کہ یہ روایت مجعول اور موضوع ہے اور ایک شیعی ابو مطہر حلی کا گھڑا ہوا افترا ہے جس کا جواب امام ابن تیمیہ حنبلیؒ نے اپنی کتاب 'منہاج الاعتدال (عرف) منہاج السنہ' میں دیا ہے ہم انکی عبارت امام ذہبیؒ کی 'المنتقیٰ' سے نقل کرتے ہیں۔ یہ ذہبیؒ امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں اور انھوں نے منہاج السنہ مکمل چار حصہ کی نہایت جامع تلخیص 'منتقیٰ' کے نام سے کی ہے وہ لکھتے ہیں: اما نقلك عن احمد۔ فالثابت عنه من رواية ابنه صالح انه قال: ومتی رأیت اباك یلعن احداً؟ ونقل عنه لعنة من رواية منقطعة ۔۔۔ الخ (ص ۲۹۱) عبدالرزاق ملیح آبادی نے بھی یہی روایت اردو میں لکھی ہے (حسینؓ ویزید ۱۴۲)۔ یعنی امام احمدؒ نے اپنے

بیٹے صالح سے کہا (جب صالح نے انسے یزید پر لعنت نہ کرنے پر اعتراض کیا تھا) کہ (اوّل تو) تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعن کرتے دیکھا کب ہے؟ دوسرے امام احمد سے لعن یزید کی روایت تو منقطع ہے (اسلئے اس پر اعتبار اور مدار غلط ہے)۔ دیکھا آپ نے؟ بات کیا تھی اسے اس فتنہ پرداز جماعت نے کیا سے کیا کر دیا؟ یہ بھی آپنے سن لیا کہ امام ابن تیمیہؒ اور لعنِ یزید کا شگوفہ چھوڑنے والا ایک شیعی ہے۔

(۲) محدث ابن التین کی توجیہہ (حدیث غزوہ قسطنطنیہ اور یزید کے مغفور ہونے کے بارہ میں) انکی اپنی رائے ہے جو ایک مفروضہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ ابن التین نے کمال یہ کیا کہ خود ایک صورت فرض کی اور پھر اس مفروضہ کو یزید کے لئے حقیقت نفس الامری بھی مان لیا اور اسکے ذریعہ سے پوری کوشش کی ہے کہ یزید کو جنت میں دخول اولی کسی طرح حاصل نہو نے پائے اسکا اثر یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہؒ صاحب محدث دہلوی جیسے عبقری شخص نے بھی اس سے متاثر ہو کر اسی کے قریب قریب توجیہہ کی احقر نے بھی ان توجیہات کے مقابلہ میں ایک الگ توجیہہ کی ہے کیونکہ ع۔ نحن رجالٌ وھم رجالٌ مشہور ہی ہے

(انتباہ) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ابواب بخاری کی شرح میں لکھا ہے" قسطنطنیہ کی دوسری فوج کا راس و رئیس یزید تھا جسکی گواہی "تواریخ" میں ہے ... (آگے سیدنا حسینؓ کو علیہ السلام لکھا ہے) مجھے شاہ صاحب کی اس تحریر پر کچھ الحاق کا شبہہ ہوتا ہے۔ وجوہ یہ ہیں (۱) اس

فوج کا رئیس یزید تھا یہ بات تو بخاری شریف باب صلوٰۃ النفل جماعۃً
میں موجود ہے۔ ایک زبردست محدّث کسی بات میں بخاری کا تو حوالہ
نہ دے اور "تواریخ" کا حوالہ دے جبکہ وہ امر بخاری کے متن میں ہو۔
سخت تعجب کی بات ہے کیا شاہ صاحبؒ کو اسکا علم نہ تھا یا وہ بخاری
کا درجہ "تواریخ" سے کم سمجھتے تھے؟ (۲) متعدد کتب "تاریخ کے لئے
"تواریخ" کا لفظ لکھنا شاہ صاحبؒ جیسے علاّم سے بعید بعید ہے۔ اہلِ علم
متعدد ایام کے لئے تو تواریخ بولتے ہیں مثلاً رمضان کی ۲۱-۲۳-۲۵
۲۷-۲۹ کی تواریخ میں شب قدر تلاش کرنا چاہیئے مگر کتب تاریخ کیلئے
تواریخ بولنا اہل علم کے یہاں شائع نہیں (۳) سیدنا حسین رضؓ کے لئے علیہ السلام
لکھنا بھی شاہ صاحب سے بے حد بعید ہے علیہ السلام کی اصطلاح
تعامل اہلسنت میں انبیاء و ملائکہ کیلئے مخصوص و محدود ہے (۴) ان
وجوہ کے ساتھ توجیہ حدیث کو بھی ملا لیجئے کہ یہ بشارت بھی مثل دیگر مکفرات
کے صرف غزوہ تک کیلئے تھی اسکے بعد کے لئے نہیں۔ نبیؐ کی وحیٔ
منامی کو اور چالیس سال پہلے کی ایک بشارتِ معیّنہ کو اور مسرت و
بشاشت کے لب و لہجہ کو اس طرح محدود کر دینا کتنی ہلکی بات ہے۔ ان
وجوہ سے جو صاحبان اس شرح ابواب کی عبارت کو شاہ صاحبؒ کی
سمجھیں انھیں مبارک ہو، میرے نزدیک یہ الحاقی ہے۔

(۳) تفتازانی اور سید آلوسی دونوں کے اقوال شانِ علم سے گرے ہوئے
غیظ، عصبیت میں بھرے ہوئے اور احتیاط سے ہٹے ہوئے ہیں اس لئے

ناقابلِ التفات ہیں۔ اگر بالفرض یزید لعنت کا محل نہوا تو لعنت انھیں پر لوٹیگی سبائیوں کی ہمنوائی میں یہ تمغہ انکے بھی ہاتھ آئیگا۔

(۴) شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے دفع اور رفع کا نکتہ خدا جانے کیا سمجھ کر لکھا۔ امیر معاویہؓ کا تسلط تو تام تھا وہی تسلط بغیر کسی ہیجان کے یزید کو منتقل ہوگیا۔ صحابہؓ اور اہل علم تو یزید کے دور کو امیر معاویہؓ کے دور کی توسیع ہی جانتے ہیں۔

نقطۂ سابعہ: یزید کی مخالفت میں چند اکابر علماء کے نام سنکر اندیشہ ہے کہ کج طبائع یہ سمجھ بیٹھیں گی کہ اہلسنت میں یزید کی موافقت میں کوئی بڑا عالم ہے ہی نہیں اسلئے ہم چند موافق یزید علماء کے نام بھی نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں:۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مبارک: یہ شاگرد امام ابو حنیفہؒ تھے اور امام احمدؒ سے پہلے گزرے، زبردست محدث تھے انھوں نے اپنی کتاب الزہد میں یزید کا ملفوظ درباب زہد حضرات صحابہؓ کے اقوال کے معاً بعد لکھا ہے۔

(انتباہ) یہ چونکہ یزید سے بہت قریب زمانہ میں گزرے ہیں انکا یہ عمل (زہدیات میں یزید کا قول لینا) ظاہر کرتا ہے کہ انکے نزدیک یزید کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا۔ انکو اس کے مومن کامل ہونے کا جزم تھا اس لئے اسکا قول قبول کیا۔ پس یہ شبہہ بھی جاتا رہا کہ یزید کا خاتمہ مجہول ہے کہ ایمان پر ہوا یا نہیں۔ فافہم۔

۲۔ خود امام احمد بن حنبلؒ: انھوں نے بھی اپنی کتاب الزہد میں یزید کا

ملفوظ درباب زہد صحابہؓ کے اقوال کے معاً بعد لکھا تھا مگر دلدادگان تحریف اور اماماں تلبیس نے وہ صفحہ ہی غائب کر دیا۔ (خلافت معاویہ ویزید۔ عباسی)

۳۔ امام محمد غزالیؒ: انھوں نے احیار العلوم میں غالباً آفات لسان میں یزید کا دفاع کیا ہے (۳/۱۲۵) اور اس پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا مستحب کہا ہے۔

۴۔ قاضی ابوبکر ابن العربی شاگرد امام غزالی: لکھتے ہیں کہ مورخین میں شرم نہیں جو یزید کو برا کہتے ہیں امیر یزید کا امام احمدؒ کے نزدیک بڑا درجہ ہے۔

۵۔ امام ابن تیمیہؒ: انکا خیال معلوم ہے رسالہ راس الحسینؓ اسی بحث میں ہے۔

۶۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ و مولانا تھانویؒ: ان اکابر نے یزید کے باب میں تحقیقی راہ یہ لکھی ہے کہ توقف کیا جائے نہ اسے کافر و ملعون کہا جائے اور نہ مومن کامل و مرحوم بلکہ اسکے معاملہ کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔ اور کافر کہنے کو خلاف تحقیق بتایا ہے۔ مولانا عبدالحی نے فتاوا میں (۳/۱۷-۱۸) لکھا ہے "اگرچہ صاحب شرح عقائد (تفتازانی) نے باوجو اختلات اہل حق دبیان مذہب حنفیہ کے اپنے زعم میں ترجیح کفر کی ثابت کی ہے لیکن دوسرے اکابر محققینؒ نے وہ ترجیح مسلّم نہیں ٹھہرائی۔ مسامرہ۔ مسائرہ۔ ردالمختار شامی وغیرہ کتب معتمد فقہ وعقائد علمار حنفیہ میں دوسری جانب کے (اسکے ایمان کے معتمد ہونے کی ترجیح ہے بلکہ بہت کتب مشہورہ محققین میں شرح عقائد پر اعتراض کی بھی تصریح ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر۔ ضوء المعالی۔ حاشیہ عصام اور حاشیہ ابوالیسر سے ثابت ہے۔" انتہٰی۔

اطلاع وگزارش : ہمعصر صحابہ میں سے مجھے باوجود تلاش کسی کا قول یزید کے قاتلِ حسین ہونے کا یا اسکے کفر کا نہیں ملا اگر کسی صاحب کے علم میں کسی صحابی کا ایسا قول ہو تو براہِ کرم مجھے اطلاع دیں گیا عبداللہ بن مطیع صحابی نہ تھا ابن سبا کا ایجنٹ تھا اسکا نام لینا فضول ہے۔

فصل چہارم

واقعات کربلا کی صحیح تصویر اور شبہات کا حل

یزید میں ولیعہدی ہی کے زمانہ سے چند جائز تفریحی باتیں تھیں یعنی (۱) اپنی شرعی لونڈیوں سے سماع سننا (۲) شعر و شاعری سے رغبت (۳) اپنی بیوی کی طرف زیادہ میلان و انہماک (۴) پلے ہوئے کتّوں اور چیتوں کے ذریعہ شکار (۵) آرام طلبی۔ صحیح تاریخوں میں یزید کے متعلق جو مبہم الزام "فعلات یزید" کا ذکر ہے تحقیق کرنے پر اسکی حقیقت بس یہ نکلتی ہے۔ اب یہ امت کی بدنصیبی تھی کہ حضرت ابن زبیرؓ کو اپنی دعوت کیلئے عبداللہ ابن مطیع جیسا شخص داعی اور کنویسر مل گیا جس نے سب سے پہلے یزید پر شراب نوشی کی تہمت لگائی محض اسلئے کہ لوگوں کو حکومتِ وقت (یزید) کیطرف سے بدظن کرکے ابن زبیرؓ کے لئے ووٹ حاصل کر سکے۔ سبائیہ نے بس

اسی "ودٹنگ کی حریفانہ چشمک" سے اپنے اغراض میں ناجائز فائدہ اٹھایا
بہرحال سیدنا حسینؓ کے نزدیک انھیں فعلات مذکورہ کے باعث انکے معاشرہ کا امیر و امام ہونے کے لئے یزید موزوں نہ تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اگر اسکے بجائے کوئی متقی صحابی یا کوئی متقی تابعی، جسے بھی امت منتخب کرے امیر بنے تو زیادہ اچھا ہے۔ انکی یہ ذاتی رائے تھی۔ ابن زبیر بھی چونکہ امیدواران خلافت میں سے تھے اسلئے وہ بھی سیدنا حسین کی اس رائے سے متفق تھے لیکن ان دو کے سوا تمام موجود صحابہؓ و اجہات المومنین (جنکی تعداد دو سو سے اوپر بتائی جاتی ہے) کسی کی رائے نہ یہ تھی کہ یزید امارت مسلمین کیلئے موزوں نہیں اور نہ یہ تھی کہ اس سے نزاع و جدال اور قتال جائز ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انکا یہی اجتہاد انکا تفرد تھا۔ انکا یہی تفرد تھا جسکے متعلق بعض اکابر کا اپنا خیال ہے کہ سیدنا حسینؓ کے نزدیک انکا خلافت سے معزول کرنا واجب تھا مگر تعجب ہے کہ اس واجب کام سے سیدنا حسینؓ نے پھر خود ہی منہ موڑا۔ تمام صحابہؓ اسکی بیعت و خلافت کو شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے اور مذکورہ فعلات پر اسکے معزول کرنے کو مصلحت ملکی و قومی کے خلاف سمجھتے تھے کیونکہ اس میں خونریزی و انتشار امت کا احتمال غالب تھا۔

۲۔ سیدنا حسینؓ اور ابن زبیرؓ دونوں ہی کے دلوں میں طبعی طور پر حاکم بننے کی خواہش موجود تھی اور یہ کوئی گناہ نہیں تھا۔ دیکھئے سیدنا ابوذرؓ جیسے زاہد صحابی نے از خود آکر حضورؐ سے پوری طہارت نفس اور للّٰہیت سے

عرض کیا تھا کہ مجھے کہیں کا والی بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کمزور ہو حکومت نہیں سنبھال سکتے" حضور نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ اسی طرح حضور کے وصال پر سیدنا علی ہاشمی اور سیدنا سعد بن عبادہ انصاری کے دلوں میں بھی امارت و خلافت کی خواہش تھی

۳۔ سیدنا حسینؓ کو اہل کوفہ کے سابقہ فسادات اور حالات معلوم تھے پس آپ اہل کوفہ کی طلب پر جانا ہی نہیں چاہتے تھے پہلے آپ نے ان قاصدوں کو بہت ٹالا، مگر طبعی خواہش کے ساتھ ساتھ ڈیڑھ دو سو فریب بھرے خطوط کا آنا۔ ہزاروں کا بیعت کیلئے آمادہ ہونا۔ پچاس ساٹھ منافق کوفیوں کا سیدنا حسینؓ کو مسلسل پھسلانا اور کان بھرنا ایسا پر تاثیر نکلا کہ آپ آخر میں نرم پڑ گئے پھر بھی آپ نے اتنی احتیاط ضرور کی کہ فوراً خود نہیں چلے گئے بلکہ یہ سوچا کہ شاید اب یہ کوفی لایونی کچھ سدھر گئے ہوں اس لئے آپ نے پہلے مسلم کو کوفہ بھیجا۔ مسلم وہاں پہونچکر بارہ ہزار کی بیعت لیکر خود ہی دھوکہ میں پڑ گئے۔ منافق کا ظاہر بڑے بڑے ارباب باطن کو دھوکہ دیدیتا ہے۔ حق تعالیٰ حضور سے منافقین کا ذکر کر کے فرماتے ہیں لا تعلمھم نحن نعلمھم تم بھی انکو پہچان نہیں سکتے ہم ہی انکو جانتے ہیں۔ پھر ہر مومن ہی کی صفت غرٌ کریمٌ ہے پھر سیدنا حسینؓ تو سید المومنین تھے۔ مختار ثقفی منافق نے بھی گرفتار ہو کر ابن عمرؓ کی سفارش سے دو مرتبہ قید سے نجات حاصل کر لی تھی۔

۴۔ پندرہ سولہ ہمدردوں کے منع کرنے پر بھی جو سیدنا حسین نہیں رکے

تو اسی وجہ سے کہ آپ کے نزدیک ایک تو اسوقت تک امیر یزید کا ایسا تسلط تام نہیں ہونے پایا تھا جس میں حضورؐ نے مقابلہ پر اٹھنے والے کو قتل کرنے کا صاف حکم دیدیا تھا البتہ ایمیں سیدنا حسینؓ کی قوت فیصلہ کی کمی سے (کسی اثر کے ماتحت) دو غلطیاں ہوگئیں:۔

ایک یہ کہ آپ نے امیر یزید کے تسلط کو تام نہیں سمجھا تھا حالانکہ وہ تام تھا۔ تمام صحابہ اور ازواج مطہرات نے اسے تام ہی سمجھا تھا ابن عمرؓ ابن عباس تک نے بے چوں وچرا بیعت کرلی تھی۔ حرمین میں سوا حسینؓ اور ابن زبیرؓ کے کسی کو یزید کی امارت پر اعتراض نہ تھا اور امیر یزید خود بھی دین کے پیرو تھے۔ احکام شرعیہ کے جویا رہتے تھے اسکے علاوہ حسینؓ نہ عمال یزید کے مظالم کو رفع کرنے گئے تھے نہ ان سے جنگ کرنے گئے تھے آپ کوفیوں سے صرف بیعت لینے گئے تھے ان کوفیوں کی شرارتیں بھی آپ جانتے تو تھے مگر آپ اس حد تک نہیں سمجھے ہوئے تھے کہ وہ مجھے قتل بھی کردیں گے۔ یہاں پھر آپکی قوت فیصلہ نے غلطی کی کہ کوفی دشمنوں کو حقیر و بے چارہ سمجھے اور اپنے ذاتی اور خاندانی وقار کے بھروسہ ان لوگوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر بیٹھے یہ وجہ تھے کہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ نہ تو خود انکے خاندان کے لوگ گئے نہ صحابہؓ گئے نہ امت گئی۔ نہ کسی نے بعد میں کوئی شورش مچائی نہ قصاص لیا۔

۵۔ سیدنا حسینؓ کوفہ اسلئے جارہے تھے کہ اگر وہاں قوت حاصل ہوجائے

تو یزید سے زبانی گفتگو کر کے اسے امارت مسلمین سے الگ ہونے کا مشورہ دیں گے۔ اگر وہ الگ ہو جائیگا تو امت کسی موزوں شخص کا انتخاب کریگی اور اگر الگ نہ ہوگا تو باوجود خواہش امارت کے آپ ایثار سے ہی کام لیکر اپنے ابن عم یزید ہی کو امیر رہنے دینگے اور خود پھر اسکے ہاتھ پر بیعت کریں گے اسکے علاوہ نہ تو خود حسین و یزید میں دشمنی تھی نہ بنو ہاشم و امیہ میں نہ آپ اسے معزول کرنے گئے تھے نہ معزول کرنا واجب جانتے تھے۔ اسی وجہ سے دونوں گھرانوں میں سانحۂ کربلا کے بعد بھی باہم قرابتیں ہوتی رہیں۔ اس نیک غرض اور نیک نیت کے سفر میں آپ کو قتل ہونیکا احتمال ہی نہ تھا اسی وجہ سے آپ نے ہر مقام پر عمال حکومت کو صاف صاف بتا دیا کہ میں حکومت سے بغاوت تو کرتا نہیں ہاں میں تغیر خلیفہ چاہتا ہوں دوسرے ناصح لوگ چونکہ کوفیوں کی فطرت کو خوب سمجھے ہوئے تھے اور بے غرض تھے اس لئے ان سب کو قتل و شہادت کا احتمال غالب تھا ۶۔ کوفہ کے سفر میں نصف پر پہونچنے پائے تھے کہ ابن سعد کا (جو سیدنا حسین رضؓ کے نانا اور ہمدرد اور موافق تھے) قاصد اور مسلم کی شہادت کی خبر ملی اسوقت سیدنا حسین کو کوفیوں کی غداری کا صحیح اندازہ ہوا اور آپ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ آپ عارف تھے اسوقت آپکو جان دینے کے مطلوب شرعی ہونے میں شبہ ہو گیا تھا۔ آپ جو بار بار واپسی کا ارادہ کر رہے تھے تو اسلئے کہ آپ کے نزدیک یزید کا عزل صرف ایک مستحسن امر تھا۔ واجب اور ضروری نہ تھا (اس بارہ میں نہایت ادب کے ساتھ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی

کی رائے سے اختلاف رکھتا ہوں وہ اسے واجب گمان کرتے ہیں)

آپ کا کوفہ جانا یزید کے خلاف جہاد اور احیاء معالم دین اور تجدید دین کے لئے ہرگز ہرگز نہ تھا۔ بلکہ ہوا یہ کہ سیدنا حسین کی طبعی خواہش تو اسکی محرک تھی اور کوفیوں کے خطوط کی بھرمار اسکی مؤید بنی اور یزید کی وہ تفریحات مباحہ جو اس عہد کے معاشرہ میں ایک صحابی کے لڑکے میں موزوں نہ تھیں اسکے موافق پڑ گئیں۔ بس ان دو باتوں کا اثر ان پر تھا ورنہ وہ یزید کو نہ تو کافر فاسق سمجھتے تھے اور نہ اسکی بیعت کو گناہ جانتے تھے کیونکہ دیکھ رہے تھے کہ تمام موجود صحابہؓ بیعت کر چکے ہیں اور امت مرحومہ کبھی ضلالت پر مجتمع ہو ہی نہیں سکتی۔ سیدنا زین العابدین چونکہ اپنے والد محترم کے اس نقطۂ نظر کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے اور خود اس سے اختلاف رکھتے تھے اسوجہ سے انھوں نے بھی یزید کی بیعت کرلی۔ اسکی دعوتیں کھائیں اسکے تحفے قبول کئے۔ آخر یزید حضرت علی زین العابدین کا نانا اور رشتہ دار ہی تو تھا۔

۷۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسلم کے بھائیوں نے سیدنا حسین کو مسلم کے قتل کا طعنہ دیا۔ ہوا یہ کہ انھیں فتنہ پرداز کوفیوں نے (جو ہر قیمت پر سیدنا حسین کو کوفہ لیجانا چاہتے تھے) ایک طرف تو برادران مسلم کو شہ دی کہ آپ لوگ سیدنا حسین سے کہئے کہ مسلم کا قصاص لینا ضروری ہے۔ اور دوسری طرف سیدنا حسین کو پھر گہرا دھوکہ دیا کہ "مسلم کی بات دوسری تھی آپ کی بات دوسری ہے آپ کے ساتھ کوئی شخص بیوفائی تھوڑا ہی کرسکتا ہے۔ مسلم

کی شہادت کسی اتفاقیہ حادثہ ہی کی وجہ سے ہو گئی ہو گی جسکے صحیح حالات کوفہ چلنے ہی پر معلوم ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ' غرض ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سیدنا حسین کو پھر کوفہ چلنے پر راضی کر لیا اور آپ کشاں کشاں کوفہ کو چلے۔ سیدنا حسینؓ کے دل میں تقدیر الٰہی سے پوری طہارت و تقدس کے ساتھ ایک طرف تو امیر بننے کی جائز خواہش تھی اور دوسری طرف وہی دو باتیں جمی ہوئی تھیں ایک یہ کہ یزید کی جگہ میں یا کوئی دوسرا موزوں شخص امت مسلمہ کا سربراہ بنے کیونکہ یزید کے مشاغل ایک صحابی کے فرزند اور ملت اسلامیہ کے امیر کے لئے موزوں نہیں دوسرے یہ کہ ابھی اسکا تسلط عام و تام نہیں۔ اس لئے ابھی اسکے خلاف خروج منع نہیں یہ تقدیر الٰہی تھی جو سیدنا حسینؓ کے بھولے پن اور نرم مزاجی کی شکل میں اپنا کام کر رہی تھی ورنہ سیدنا حسینؓ سے افضل صحابی سیدنا ابن عمرؓ اور بقیہ تمام اکابر صحابہ نے یزید کی بیعت کر لی! ان کے نزدیک امیر یزید کا تسلط عام و تام تھا امیر معاویہؓ کا تسلط تو یقیناً عام و تام تھا۔ بس وہی تسلط تام بغیر کسی ہیجان و شورش کے نہایت امن کی حالت میں امیر یزید کی طرف منتقل ہو گیا اور امیر معاویہؓ اور امیر یزید کے درمیان ایسا فاصلہ اور وقفہ بھی مطلق نہیں ہونے پایا جس میں رعیت و امت بے امیر اور بے سری رہی ہو یا امیر یزید کو کسی سے تسلط پانے میں کوئی ادنیٰ مزاحمت پیش آئی ہو نہ معلوم شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ

کی نظر سے یہ اہم نکتہ کیونکر مخفی[ٹ] رہ گیا۔

۸۔ کوفہ کے قریب حُرؓ کا آنا۔ ابن سعد کا اور کچھ فوج کا آنا میرے نزدیک ہرگز ہرگز سیدنا حسینؓ کو قتل کرنے یا ان سے جنگ کرنے کیلئے نہ تھا اور ہو بھی کیسے سکتا تھا، عمرو سیدنا حسینؓ کے ناتا اور ہمدرد تھے مسلمؓ نے اسی قرابت کی بنا پر انھیں سے قتل سے قبل درخواست کی تھی کہ میرا قرض ادا کر دینا اور انھوں نے قرض ادا کر دیا۔ حسینؓ کے پاس قاصد بھیجکر انکو کوفیوں کی غداری کی خبر دی۔ کیا کوئی عقل تسلیم کریگی کہ ابن سعد مسلمؓ کا قرض تو ادا کر دیں، قاصد اور خط کے ذریعہ سیدنا حسینؓ کو حالات کی اطلاع تو دیدیں اور آگے بڑھنے سے منع کریں مگر اتنی ہمدردی کے بعد وہی سیدنا حسینؓ جیسی محبوب شخصیت کے قتل پر آمادہ بھی ہوں؟ کذاب مورخوں نے یہاں جھوٹ گھڑا ہے کہ ابن زیاد نے انکو رے کی گورنری کا لالچ دیا تھا۔ ان مورخوں نے اسلام دشمنی میں سیدنا ابن سعد کی سیرت کو کتنا پست دکھانا چاہا ہے۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن۔ واقعہ صرف یہ تھا کہ حُرؓ، ابن سعد اور کچھ فوج وہ بھی کوفی اور صرف کوفی سپاہیوں پر مشتمل جو آئی وہ دراصل حکومت کیطرف سے کوفی خونخوار بھیڑیوں سے سیدنا حسینؓ کی حفاظت کیلئے آئی تھی۔ حُر

ٹ حدیث۔ "الحرام سوء الظن" مجھے گمان غالب ہوتا ہے کہ مذکورہ فتوامیں بھی اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسے "سرالشہادتین" جیسی غلط کتاب تحریفاً شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب کی گئی ۱۲ سراج۔

ابن سعد پہلے ہی سے سیدنا حسین کے ہمدرد و طرفدار تھے ۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ حُر پہلے آپ کا دشمن رہا ہو پھر آپ کے قدموں میں آگیا اور طرفداروں میں ہو گیا ہو ۔ یہ کذّاب مورّخ اول کی رنگ آمیزی ہے کہ بات کچھ تھی اور اسے کچھ اور بنا دیا ۔

۹ ۔ ۱۰ محرم (عاشورا ۶۱ھ) کی صبح تک نہ سیدنا حسینؓ کو حکومت کی طرف سے کوئی خطرہ تھا نہ حکومت کو حسینؓ سے کوئی اندیشہ تھا نہ کوئی الجھن پیش آئی نہ حضرت حسینؓ کی نیت یزید سے جنگ کرنے اور اسے زبردستی معزول کرنے کی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے محابا ہر شخص سے حتیٰ کہ ابن سعد سالار لشکر یا انسپکٹر جنرل پولیس تک سے صاف صاف کہہ رہے تھے کہ "یہاں والوں نے مجھے بلایا تھا کہ میری بیعت کریں گے" اس بات کا اظہار یزید کے افسروں کے سامنے بظاہر تو بہت ہی پر خطر تھا کیونکہ اقبال جرم تھا مگر چونکہ حکومت سیدنا حسینؓ کا احترام کرنا چاہتی تھی اسی لیے اس نے حفاظتی دستہ بھیجا تھا اس لیے اُس نے اس اعتراف پر بھی کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا ۔ حکومت کو اگر سیدنا حسین سے کوئی پرخاش ہوتی تو انکو خبریں تو برابر ملتی ہی رہتی تھیں وہ حرمین ہی میں یا کوفہ کے راستہ ہی میں انکو شہید و قتل کرا سکتی تھی مسلم کو یا انکو کوفہ تک جانے اور بیعت لینے کا موقع ہی نہ دیتی ۔ سیدنا حسینؓ کے ہمراہ ہاشمی افراد بھی مطمئن اور ساکن تھے نہ انھیں انتقام مسلم کا کوئی خیال تھا نہ فکر البتہ سیدنا حسینؓ کو خود تنہا ایک الجھن ضرور تھی وہ حکومت کو دیکھتے تھے

وہ انکو کوفی بھیڑیوں سے دور رہنے کی ہدایت کرتی اور کوفیوں کو انکا دشمن بتاتی ہے مگر جب کوفیوں کو دیکھتے تھے تو انکی زبانوں پر وہی وفادار کے وعدے، وہی عقیدت بھرے الفاظ، وہی خلوص کا اظہار ملتا تھا انکا طبعی وخاندانی کرم نفس اور امارت کی دبی ہوئی خواہش انھیں یہی سمجھائے جارہی تھی کہ کوفی جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں۔ وہ قرآن کی اس آیت (وقاسمھما انی لمن الناصحین یعنی شیطان نے حضرت آدم کو دھوکا دینے کیلئے جھوٹی قسم بھی خدا کی کھائی) کی نصیحت کو بالکل ہی بھول گئے کہ عدو مبین کی تو جھوٹی قسم کا بھی اعتبار نکرنا چاہیے لیکن سیدنا حسینؓ نے کوفیوں کو سچا سمجھا، بہرحال وہ اور حکومت کے افسران کسی بات پر ملے کچھ گفتگوئیں ہوئیں، ابن زیاد گورنر کے قاصد کئی بار (۱۰ محرم کو بھی اور اس سے پہلے بھی) آپ کے پاس آچکے تھے اور آرہے تھے مگر سیدنا حسین صحیح فیصلہ نہیں کر پارہے تھے۔ یہ تو سیدنا حسینؓ کا حال تھا لیکن مفسد کوفیوں کا کیا حال تھا؟ تاریخ نے اگر اسے نظر انداز کر دیا ہے یا دشمنوں نے اسے بہت مخفی رکھنا چاہا ہے تو فلسفہ تاریخ، محکمہ تفتیش۔ جذبہ دلایت کا فرض ہے کہ اس گم شدہ کڑی کو ڈھونڈ نکالے خواہ اسے پاتال کی اندھیریوں میں ہی دبا دیا گیا ہو۔ واقعہ کربلا کو ایک اتفاقی سانحہ یا یزید کا ایک اچانک ظلم سمجھنا اور اسکے پس منظر کو بالکل نظر انداز کر دینا سبائیہ کے تو مقاصد زندگی میں ہے مگر اہلسنت کے مورخ ومصنف اور عالم اور صوفی بھی اگر اسے نظر انداز کر دیں تو یہ سخت

تعجب خیز ہے۔ حضورؐ تو فرما گئے کہ شہادتِ عمرؓ سے ایک فتنہ ابھرے گا شہادتِ عثمانؓ ایک سخت فتنہ سے ہوگی۔ عمارؓ کو ایک فتنۂ باغیہ شہید کریگا۔ حضرت حسنؓ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں (جو کسی وجہ سے باہم لڑتے ہونگے) باہم صلح کرادیں گے۔" ایسا طویل العمر فتنہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے وقت یکایک سو کیوں گیا ہوگا؟ کسی واقعہ کو اسکے پس منظر سے الگ کرکے دیکھنا اپنی اور نہ معلوم کتنے انسانوں کی نظر اور عقل کو نجانے کتنے فریبوں میں مبتلا کردینے کا باعث بنجاتا ہے پکا مسلمان نہ دھوکا کھاتا ہے نہ دھوکا دیتا ہے۔

بہرحال تاریخ، تفتیش، درایت ان تینوں تحقیقی اداروں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ صبح عاشورا ۶۱ھ کو

(الف) ان کوفیوں کی پوزیشن نہایت نازک اور خطرے میں تھی جو سیدنا حسینؓ کو بڑے بڑے جتنوں سے ہزاروں جھوٹ سچ بول کر مکہ سے یہاں تک لائے تھے۔ شہادتِ مسلم ہی سے انکو اندیشہ ہو چلا تھا کہ اب حضرت حسینؓ ہمارے ہاتھ سے شاید نکل جائیں گے پھر بھی فریب سے کسی نہ کسی طرح انکو کوفے ہی آئے تھے اب جو وہ کوفہ کے مضافات میں حسینؓ اور انکے نانا ابن سعد کی ملاقات۔ حسینؓ اور قاصدان ابن زیاد کی ملاقات۔ حسینؓ اور یزید سے بیعت کرنے کے ارادہ کا اظہار وغیرہ امور کو دیکھنے لگے تو وہ بہت پریشان ہوئے انکو ان باتوں میں اپنی رسوائی اور موت نظر آرہی تھی اس لیئے

اسے بھلا کس طرح ٹھنڈے پیٹوں دیکھ سکتے تھے ؟ اگر ایکبار حسین رضؓ حکومت کی آغوش حمایت میں چلے جاتے تو کیا عام کوفیوں اور ان چالیس پچاس ہمراہی کوفیوں اور بعد میں شامل ہو جانے والے کوفیوں کی پوزیشن قانون اور اخلاق کی نگاہ میں محفوظ رہتی ؟ کیا سیدنا حسینؓ انکے پنجہ سے نکلنے کے بعد خود انکے لئے دردسر نہ بنجاتے ؟ کیا حکومت سیدنا حسین سے باہمی تبادلۂ خیال کے بعد ان سے کچھ بازپرس نہ کرتی ؟ کرتی اور ضرور کرتی اور بازپرس میں تو پھر ان ہمراہیوں کی اور بہت سے کوفی شہریوں کی صاف موت اور تباہی تھی کوفیوں کو اپنا یہ نتیجہ اور یہ حشر صاف نظر آرہا تھا۔ یہ تو انفرادی نفسیاتی پہلو تھا، رہا اجتماعی منصوبہ تو انکا عرصہ سے یہ چلا ہی آتا تھا کہ اکابر اسلام کو چن چن کر قتل کرد۔ عام مسلمانوں میں قتل خونریزی و فساد کرا کے ملک میں بدامنی پھیلاتے رہو۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے بدظن اور متنفر کر کے تفریق پیدا کرتے رہو اور انہیں باہم صلح نہ ہونے دو خواہ اسکو کامیاب بنانے میں جماعت کے کچھ افراد کام بھی آجائیں ع۔ گوشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

(ب) واقعہ کربلا سے قبل ان مفسدین کے پیشرووں نے ایسے ہی کئی نازک موقعوں پر جس طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا وہی انکو کربلا میں بھی مناسب معلوم ہوا۔ ان کوفیوں کو یاد تھا کہ جنگ جمل میں جب سیدنا علی رضؓ وام المومنین سیدہ عائشہ رضؓ کے درمیان صلح کی بات چیت ہوئی تو عبداللہ

ابن سبا کو اس صلح میں اپنی جماعت کی موت نظر آئی تو اس نے یہی تجویز کی کہ ان میں باہم صلح نہ ہونے دو بلکہ ہر فریق کو دوسرے سے بدظن کردو تو اس نے کچھ لوگوں کو لشکر علیؓ میں اور کچھ لوگوں کو لشکر ام المومنینؓ میں بھیجا اور ہدایت کی کہ رات کی تاریکی میں لشکر علیؓ سے لشکر ام المومنینؓ پر اور لشکر ام المومنین سے لشکر علی کے اوپر چند تیر پھینکدو اور یہ خبر پھیلا دو کہ مقابل کے لوگوں نے بدعہدی کی۔ یہی کیا گیا رات کی تاریکی میں دونوں لشکر باہم گتھ گئے اور دس ہزار مسلمانوں کا خون بہہ گیا۔ اسکے بعد انھوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جنگ صفینؓ میں جب سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ میں قریب تھا کہ صلح ہو جائے تو مالک اشتر وغیرہ نے بھی اسی طرح حضرت عمارؓ کو شہید کر کے نام لشکر معاویہ کا لگادیا اور مختلف فریبوں سے فتنہ پیدا کر کے دونوں کو لڑا دیا اور طرفین سے اسی ہزار مسلمانوں کا خون بہا دیا۔ بس کوفیوں نے بھی انھیں خطوط پر کام کرنا ضروری سمجھا۔ شب عاشورا میں ادھر تو خامس آل عبا مصروف عبادات اور ادھر آل ابن سبا مشغول فسادات رہے۔ اس فتنہ باغیہ کے ممبروں نے کمیٹی کر کے اپنے لئے یہ پالیسی تجویز کی کہ

انکشافِ حقیقت

جماعت کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں

(الف) جو لوگ سیدنا حسینؓ کے ہمراہ ہیں وہ اب بھی برابر سیدنا حسین کے حمایتی و ہمدرد بنکر برابر ہر موقع پر انھیں حکومت سے بدظن کرتے رہیں انھیں یقین دلا دیں کہ حکومت کے جو افراد یہاں

آئے ہیں وہ دراصل آپ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور جیسے ہی جنگ کا سگنل ہو وہ فوراً بے محابا حسین کی طرف سے حکومت کے افراد پر حملہ کردیں روکنے پر بھی نہ رکیں (ج) کچھ لوگ جاکر حکومت اور ابن زیاد سے ملجائیں اور اسکی تعریف وغیرہ کرکے اسے شیشہ میں اتاریں اور اسے برابر ورغلاتے رہیں کہ وہ حسینؓ سے یہیں اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مطالبہ کرے۔ اگر حسینؓ نہ مانیں تو سمجھے کہ حکومت کے باغی ہیں انسے جنگ کیجائے۔ غرض حکومت کو سیدنا حسینؓ کا مخالف بنادیں (ح) کچھ لوگ سیدنا حسین پر تیر یا تلوار سے اچانک حملہ کردیں اور اسطرح جنگ کا افتتاح کردیں یہی جنگ کا سگنل ہوگا۔ کوئی کتنا ہی منع کرے نہ مانیں۔

یہی لوگ تھے جنھوں نے سیدنا حسینؓ کے یا حکومت کیخلاف سازش کی تھی انکو معلوم تھا کہ حکومت ہمکو قتل کردیگی اسلیئے انھوں نے دوسروں کو مار کر قتل ہونا پسند کیا۔ دوسروں پر جرم ثابت نہوا اسلیئے حکومت نے کسی کو سزا نہ دی۔

طبری ج۶ ص۲۳۰ کی عبارت کے (جو آگے بہ تفصیل آرہی ہے) یہ جملے براہ کرم بار بار پڑھیئے اور غور سے پڑھیئے ان حروف وسطور پر بھی غور کیجئے اور بین السطور کے مضمون تک پہونچنے کی کوشش کیجئے کہ:…

…انھوں نے حسین کو بلایا تھا کہ انکا ساتھ دیں گے اور انکو اپنا حاکم بنائیں گے مگر وہ انکے پاس پہونچے تو وہی لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان سے کہنے لگے کہ یا تو تم اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیدو تب تو ہم تمکو ابن زیاد بن سمیہ کے پاس صلح کے ساتھ بھیجیں گے کہ وہ تمھارے

بارہ میں اپنا فیصلہ صادر کرے اور یا تم ہم سے لڑو۔ خدا کی قسم حسین رضؓ نے دیکھا کہ وہ اور انکے ساتھی لوگ کم ہیں اور وہ ایک بڑے مجمع میں گھر گئے ہیں" (۱) "انہیں بلایا تھا" کے لفظ سے تو قسم الف کے کوفی ثابت ہوتے ہیں" اور "وہی لوگ انپر ٹوٹ پڑے" کے لفظ سے قسم ب کے کوفیوں کا ثبوت ملتا ہے۔ انمیں شبث بن ربعی۔ قیس بن اشعث (جو جعدہ بن اشعث قاتلہ سیدنا حسنؓ کا بھائی تھا) اور ابن ابجر وغیرہ تھے انکا سردار شمر ذی الجوشن خارجی تھا وہ سیدنا حسینؓ کے اور حکومت کے درمیان گفتگو کا نگراں تھا ابن زیاد سے کہتا تھا کہ انکو کہیں جانے نہ دو یہیں اپنے ہاتھ پر بیعت لے لو اور سیدنا حسین کے پاس اپنے چیلوں سے کہلواتا تھا کہ ہمارے ابن عم ابن زیاد کے اس مشورہ کو آپ مان کیوں نہیں لیتے (۲)، اور عمر طہوی تمیمی نے انپر تیر چلا ہی دیا (طبری ۲۹۴/۶) اس سے قسم 'ج' کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ سب اسی تاریخ طبری میں ہے جسکی بنیاد اور اعتماد پر یزید اور ابن سعد کو قاتل حسینؓ مشہور کیا جاتا ہے اور اسے ملعون کیا جاتا ہے مگر آپ نے دیکھ لیا کہ اس تاریخ میں سارا الزام قتل حسین کا کوفیوں پر ملتا ہے یزید اور ابن سعد کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ پھر بتایئے کہ طبری کا یہ بیان کیوں نہ معتبر مانا جائے؟ اب اسکے بعد اسپر بھی غور کیجئے کہ سیدنا حسینؓ کے معاصر سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ

"کوفیوں نے حسین کو بلایا اور پھر وہی ان پر ٹوٹ پڑے اور کہا کہ تم ہم

سے لڑو۔ ۔ ۔ ۔ حسینؓ بڑے مجمع میں گھر گئے" دوسری جگہ لکھتا ہے کہ جب لوگوں نے انکار کر دیا تو وہ (حسینؓ) بھی ان پر ٹوٹ پڑے" اور ابن عمر نے کہا کہ مچھر کا تو مسئلہ پوچھتے ہیں مگر حسینؓ کو قتل کر ڈالا۔ اب دو صحابی۔ معاصر حسینؓ کے ان اقوال کے سامنے ہم امام احمد بن حنبلؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی۔ اور مولانا قاسمؒ نانوتوی رحمہم اللہ سے منسوب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خلاف عقل و دین اقوال کو ماننے لگیں اور یزید کو پلید کہیں اور مجرم مانیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

الغرض کوفیوں نے اپنی سہ رخی پالیسی پر عمل کیا عمر طہوی کوفی نے سیدنا حسینؓ پر تیر چلایا گویا جنگ کا سگنل دیا اور ابن زیاد کے منہ لگے کوفیوں نے اچانک بے تحاشا جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ یہ فتنہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ اب ایک طرف سیدنا حسین اپنے ہمراہی کوفیوں کو روک رہے اور منع کر رہے ہیں اور دوسری طرف ابن سعد اپنی طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوفیوں کو جنگ سے روک رہے ہیں اسی مرحلہ پر حُر نے سیدنا حسینؓ کو کوفی بھیڑیوں سے بچانے کیلئے سیدنا حسینؓ کی حمایت کی اور دو ایک حملہ آوروں کو قتل اور زخمی کیا یا مار بھگایا (اسی کو حُر سیدنا حسین کے قدموں میں" کے لفظوں سے تعبیر گیا ہے) مگر جن دغا بازوں نے جان دینے اور جان لینے ہی کی ٹھان لی ہو وہ بھلا کیوں باز آنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سعد کی حفاظتی پولیس ــــ جس میں شام اور دمشق کا ایک سپاہی بھی نہ تھا ــــ

کچھ دیر تو مدافعت کرتی رہی اسکے بعد اس نے بھی جارحانہ رُخ اختیار کیا ان کوفیوں پر بھی جو حسین رضؓ کے ہمراہ مکہ سے آئے تھے اور ان پر بھی جو حکومت کے آدمیوں میں فریب سے مل گئے تھے وار کرنا شروع کر دیا کیونکہ یہ سب کوفی بھی اپنے جماعتی منصوبہ کے مطابق کبھی سیدنا حسینؓ کے ساتھیوں پر تیر تلوار اور نیزہ چلاتے اور کبھی حکومت والوں پر اس وقت دوست دشمن پہچان ہی نہ پڑتے تھے۔ بس اسی گھمسان میں کسی بدبخت کوفی منافق نے (جس کا نام سنان بن انس تھا) سیدنا حسینؓ پر کاری ضرب لگادی اور آپ اس "قتال فتنہ" اور "فتنۂ عمیار" میں اچانک شہید ہو کر اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ورضی اللہ عنہ وارضاہ۔ قتال فتنہ میں شہید ہونے کی ذمہ داری حکومت پر کسی طرح نہیں آتی ورنہ پھر سیدنا طلحہؓ جو جمل کے قتال فتنہ میں شہید ہوئے اسکا الزام (نعوذ باللہ) سیدنا علیؓ خلیفۂ وقت پر آتا ہے کہ انکے دور میں ایسا معزز صحابی، عشرہ مبشرہ کا فرد شہید ہوا اور انھوں نے نہ طلحہؓ کا قصاص لیا نہ کسی کو سزا دی

؎ طبری ج ۶ ص ۲۶۳ میں ہے کہ حجاج نے کہا جس کا کچھ معاملہ ہو (من کان لہ بلاء) وہ کھڑا ہو جائے ...... تو سنان بن انس نے کھڑے ہو کر کہا میں قاتل حسین ہوں"...... تو وہ سنان اپنے گھر میں گیا پھر اسکی زبان پکڑ گئی اور اسکی عقل ماری گئی کہ کھانا کھاتا تھا تو وہیں پاخانہ پھر دیتا تھا۔ ۱۳ - اس غدار کوفی اور باغی ٹولی کے اس فرد کو یہ خدائی سزا ملی۔ سراج۔

نظریہ و حل

واقعہ کربلا کے متعلق یہ تحقیق اور اس معمّٰی کا یہ نظریہ و حل تو میرا ہے جسے میں طبری وغیرہ کو حال میں بغور پڑھنے اور کافی غور کرنے کے بعد سمجھ سکا ہوں۔ (اب تک میں بھی دوسروں کی طرح بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا) لیکن اس واقعہ کے متعلق محمود احمد عباسی نے (غالباً انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے) اس معمے کا حل یہ بتایا ہے کہ ابن سعد کے سپاہیوں نے سیدنا حسین کے ساتھیوں سے کہا کہ "حکومت کی طرف سے احتیاطی تدبیر کے طور پر ہتھیار ساتھ رکھنے کی ممانعت کر دی گئی ہے (گویا دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے) اس لئے آپ لوگ ہتھیار حکومت میں جمع کر دیجئے"۔ "اس حکم پر ہمراہیان حسین کو فیوں نے خلاف ورزی کی اور اچانک جنگ چھیڑ دی"۔

ان دو قولوں کے مقابلہ میں ایک قدیم نظریہ اور عام قول بھی لکھدیا جاتا ہے تاکہ انہیں موازنہ اور صحیح تر حل ہونے کا فیصلہ۔۔۔ آسان ہو جائے اور بنائے ہوئے جھوٹ کے رخنہ و روزن میں بھرے ہوئے مسالہ کا کچھ اندازہ ہو سکے "مشہور ہے کہ" ابن زیاد نے ابن سعد کا خط پڑھا تو متاثر ہو گیا۔ ابن سعد کی تعریف کی اور کہا مجھے منظور ہے مگر شمر نے کہا اب حسینؓ کو قابو سے نکلنے نہ دیجئے انھیں آپکی اطاعت کرنی چاہیئے اگر آپ سزا دیں تو آپکو اسکا حق ہے اور اگر معاف کر دیں تو اسکا بھی آپکو اختیار ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ اور ابن زیاد رات رات بھر سرگوشیاں کرتے ہیں۔۔۔۔ تو

ابن زیاد نے ابن سعد کو سخت لکھا کہ اگر حسینؓ بلا شرط میری اطاعت منظور کریں تو انھیں میرے پاس زندہ بھیجو ورنہ انکا سر بھیجو۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو تم معزول ہو فوج کا چارج شمر کو دیدو" ابن زیاد نے یہ خط شمر کے ذریعہ ابن سعد کے پاس بھیجا۔ ابن سعد نے کہا اے شمر یہ کام تو نے بگاڑا ہے۔ حسینؓ تو شاید ابن زیاد کی اطاعت کبھی قبول نہ کرینگے اسکے بعد ابن سعد نے فوج درست کی کہ حملہ کر دیں۔ حسینؓ نے عباس کو بھیجکر ایک شب کی مہلت مانگی ابن سعد نے مہلت دیکر کہا اگر تم نے کل ابن زیاد کی اطاعت نہ کی تو ہم تمھیں زندہ نہ چھوڑیں گے یہ سنکر سیدنا حسینؓ نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ ابن زیاد جیسے چار ٹکے کے آدمی کی اطاعت تو کبھی قبول نہ کرینگے چاہے سر کٹا دیں۔ ۱۰ محرم کی صبح کو سیدنا حسینؓ نے ابن سعد کے لشکر کے سامنے یہ تقریر کی، میں نواسۂ رسولؐ ہوں بے گناہ ہوں مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ تم میں شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر۔ قیس بن اشعث۔ یزید بن حارث موجود ہیں انھیں کے خطوط میرے پاس گئے تھے تو میں آیا اب تم کو میرا آنا گوارا نہیں تو مجھے واپس جانے دو۔ حُر پر اس تقریر کا اثر ہوا اور وہ لشکر حسینؓ میں آملا۔ سب سے پہلے ابن عوسجہ پھر حر شہید ہوئے۔۔ الخ (یہ تمام واقعات ملیح آبادی نے شہید کربلا ص۵۵ پر بحوالہ کامل ابن اثیر $\frac{۳}{۲۸}$ اور شاہ معین الدین نے سیر الصحابہ ششم میں ص۱۹۱ پر بحوالہ طبری $\frac{۷}{۳۱۶}$ لکھے ہیں۔ ہیں نے موازنہ کیلئے بہت تھوڑے تغیر سے مختصراً یہاں نقل کیا ہے)۔

(انتباہ) اسمیں یہ بات غور کے قابل ہے کہ یہ ابن سعد کے لشکر میں شبث حجار۔ قیس اور یزید داعیان و میزبانان حسین کیونکر پہونچ گئے جن کو سیدنا حسین نے پکار کر کہا۔ خوب غور کیجئے تو سمجھ میں آئے گا کہ انھیں ٹالا تھا اب وہی جاکر حکومت کے کان بھرنے لگے۔ اللہ اکبر! کتنا بڑا فراڈ تھا۔ اسے اگر ہمارے اکابر نہیں سمجھ سکے تو واقعی وہ معذور تھے۔

۱۱۔ شہادت حسینؓ کے بعد ابن سعد کے سپاہیوں نے تو اہلبیت حسینی کے احترام کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہوگا۔ نہ انکا خیمہ لوٹا ہوگا۔ نہ محترم خواتین کے سروں سے چادریں گھسیٹیں ہونگی اسلئے کہ ایک تو ابن سعد سیدنا حسین کے رشتہ دار (نانا) تھے وہ اپنے سپاہیوں کے سروں پر موجود تھے وہ خود یا انکے سپاہی اگر بالفرض سیدنا حسین سے لڑنے ہی آئے تھے تو انکو صرف سیدنا حسین سے کد تھی وہ تو شہید ہو چکے تھے اسکے بعد ابن سعد کے سپاہی سیدنا حسینؓ کے اہلبیت سے کیوں تعرض کرتے ان سے تو کسی کو کد نہ تھی۔ دوسرے ابن سعد اور انکے سپاہیوں کا دامن ہم اس سے قبل کسی موقع پر بھی ایسی رکیک حرکات سے داغدار نہیں پاتے۔ پس عقل کہتی ہے کہ ہو نہ ہو یہ خیمہ لوٹنے سروں سے چادریں گھسیٹنے کی حرکات کوفہ کی اسی باغی ٹولی کی ہوسکتی ہیں جنھوں نے اس سے قبل کئی بار خاندان رسالت و صحابہؓ کے ساتھ ایسی حرکات کی تھیں مثلاً (الف) سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پر ساباط میں قاتلانہ حملہ کرکے انکے نیچے سے مصلے اور کندھے سے چادر گھسیٹی تھی

جیسا شیعوں کی کتاب احتجاج طبرسی ص۱۴۸ سے اوپر کہیں گزر چکا ہے (ب) جنھوں نے اس سے بھی قبل سیدنا زبیرؓ کو شہید کر کے انکے جسم کے کپڑے اتار لیئے تھے (ج) اور جنھوں نے اس سے بھی قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی کی اور شہید کیا تھا (د) جنھوں نے مدینہ میں اسلامی بیت المال لوٹا تھا اور مدینۃ النبی اور مسجد نبوی کی بے حرمتی کی تھی (ھ) جنھوں نے ام المومنین ام حبیبہؓ رملہ (یا سیدہ میمونہؓ) کی جناب میں جب کہ وہ سیدنا عثمانؓ کی مدد کو جا رہی تھیں بے ادبی سے انکی سواری کے منہ پر ضرب لگا کر اسکو بدکا دیا تھا اور حرم رسولؐ ام المومنین کو صدمہ پہونچایا تھا۔

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے — پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

ان رنگے ہاتھ والے بھیڑیوں کو چھوڑ کر دوسرے کو اسکا ملزم قرار دینا اب کیا بتاؤں کہ کیا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ جرم و گناہ کی نفسیات یہ ہے کہ جرم کے بعد عقل پہلے تو جرم کو برا ہی بتاتی ہے پھر اسکے قانونی سنگین نتائج سے بھی اور معاشرہ میں عار کے الزام سے بھی ڈراتی ہے۔ پھر اس سے بچنے کیلئے تدبیریں بھی سوچتی ہے۔ پھر کبھی خود مجرم خاموش یا روپوش یا وطن فراموش ہو کر پبلک کو موقع دیتا ہے کہ اس سانحہ کو بھول جائے اور کبھی کسی ادنیٰ سی بات کو بہانہ بنا کر فوراً اسکا الزام دوسرے کے سر تھوپ دیتا ہے اور ہزاروں جھوٹ فریب سے خود لالوں کا لال اور بے گناہ بن جاتا ہے۔ یہ آخری صورت انتہائی ڈھٹائی، بے حیائی اور دیدہ دلیری کی

کام ہے جو ایک عادی مجرم کو بالکل آسان ہے۔ کربلا میں سیدنا حسین رضؓ کے قاتلین نے یہی سب کیا۔ اس لیے نتیجہ صاف الفاظ میں یہ ہے کہ کوئی سازشی پارٹی (الفئتہ الباغیہ) جو اہل اسلام کو عموماً اور خاندان رسولؐ کو خصوصاً اپنے لیے نمبر ایک کا دشمن جانتی تھی جو ایرانی شکست کا بھی اور یہودیان خیبر کے قتل کا بھی انتقام مسلمانوں سے لینا اور اسلام کی ترقی کو روکنا چاہتی تھی جس کا پروگرام ہی یہ تھا کہ اکابر اسلام کو قتل کر کے ملک میں فساد مچاؤ اور اسلامی حکومت کی مشینری کو برابر فیل کرتے رہو اس طرح اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہونچاؤ و یا پھر صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ اس لیئے انھوں ہی نے سیدنا حسینؓ کو حرمین شریفین جیسے محفوظ مقامات سے عقیدت مند بنکر کو فہ بلایا پھر انھیں نے اپنے پروگرام کے ماتحت آپکو شہید کر دیا۔ پھر انھیں کوفیوں نے آپ کا خیمہ لوٹا پھر وہی آپ کے حرم محترم کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے پھر اپنے جرم کو یزید۔ ابن زیاد وغیرہ کے سر تھوپا پھر کچھ خیال کر کے توابین بنکر اپنے قتل حسین کے جرم پر ندامت و توبہ کیلئے گرمچھ کے آنسو بہائے پھر مزید فتنہ اٹھانے کیلئے سلیمان ابن صُرد خزاعی اور مختار ثقفی جیسے فتنہ پردازوں کی سرکردگی میں خود ہی انتقام حسین لینے کے لیے کھڑے بھی ہو گئے تاکہ اب اس بہانہ سے مسلمانوں کا اور خون بہائیں۔ مصرع

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

پھر اسوقت سے لیکر آج تک سیدنا حسین کے حمایتی اور ماتمی بنکر

سیہ پوش۔ ماتم کوش اور گریہ فروش بنے ہوئے ہیں۔"پردہ چھوڑ لے کچھ ایسا کہ اٹھائے نہ بنے "

قریب ہے یار، روز محشر، چھپے کا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

یہاں بے موقع نہ ہوگا اگر شیعوں کی معتبر کتابوں سے اپنے اس خیال کی تائید صریح بھی نقل کر دوں سنیئے:۔

(۱) احتجاج طبرسی ص۱۱۱ پر ہے " فقال علی بن حسین: ھیہات ھیہات ایتہا الغدرۃ المکرۃ الخ یعنی"اے فریبیو، مکارو! کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی فریب دو جیسے تم نے میرے والد (سیدنا حسینؓ) اور میرے دادا (سیدنا علیؓ) کو فریب دیا۔۔۔۔ ابھی تک میرے دل میں باپ دادا کے قتل کا زخم مندمل نہیں ہوا ہے۔"

(۲) اسی احتجاج طبرسی کے ص۱۵۱ پر ہے "۔۔۔۔ استصرختمونا ولھین فاصرخناکم موجفین فشحذتم علینا سیفا" یعنی تمھیں لوگوں نے بہت گرویدہ ہو کر ہم کو مدد کو پکارا تو ہم نے گھوڑے دوڑا کر تمھاری پکار کو لبیک کہا اب تمھیں ہم پر تلوار تیز کر رہے ہو۔"

اور احتجاج طبرسی کے ص۱۵۶ پر تو حضرت زین العابدینؒ کا بہت صاف صاف قتل حسینؓ کا الزام کوفیوں پر درج کیا گیا ہے کہ ان ھؤلاء یبکون منا فمن قتلنا غیرھم یعنی ذرا دیکھیے کوفی عورتیں ہمارے حال پر گریبان پھاڑ پھاڑ کر نوحہ کر رہی ہیں یہی لوگ رو بھی رہے ہیں

حالانکہ ہمکو ان کے سوا قتل کس نے کیا ہے؟

(۴) اور ملا شوستری نے مجالس المومنین میں کوفی شیعوں کے سردار سلیمان بن صرد کا اقرار جرم صاف صاف لکھدیا ہے کہ "امام حسینؓ را طلب داشتیم و تیغ بروے اد کشیدیم" اب غور کیجیے میں نے طبری شیعی ہی کی تاریخ سے ثابت کیا کہ قاتلان حسین وہی کوفی تھے جنھوں نے انکو مکہ سے بلایا تھا اب شیعوں کے ان چار واضح بیانات سے بھی وہی شیعان حسین ہی انکے قاتل ثابت ہو رہے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یزید ابن زیاد ابن سعد کو قتل حسین کا مجرم گردانتا کسی سلیم الحواس صحیح العقل شخص کا کام ہوسکتا ہے؟

ذیل میں پانچ عبارتیں اپنے نظریہ کی دلیل اور قوت کے لئے لکھتا ہوں چونکہ انمیں گواہیاں سیدنا حسینؓ کے ہمعصر د صحابہؓ کی ہیں اس لئے اصولاً انکے بیانات اور شہادتیں بعد کے ہزاروں مصنفین مورخین اور راویان اخبار کے بیانات کے مقابلہ میں زیادہ صحیح زیادہ معتبر ہیں۔ وہ شہادتیں یہ ہیں:-

(۱) صحیح بخاری کتاب الادب میں ابن ابی نعم کی روایت ہے کہ میں ابن عمرؓ کیخدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ سے (احرام پہننے والے کے لئے) مچھر کے خون کا کفارہ پوچھا تو آپ نے کہا تم کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا عراق میں۔ آپ نے لوگوں سے کہا ذرا اس شخص کو دیکھو مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے حالانکہ یہی

جنھوں نے فرزند رسول کو شہید کیا تھا (انتھی) یہ ہے شیخ الصحابہ سیدنا حسین رض کے ہمعصر سیدنا ابن عمر شہادت حسین رض کا پورا ذمہ دار کوفیوں کو بتا رہے ہیں اور الزام کے سلسلے میں یزید کا نام تک نہیں لیتے کیونکہ انھیں خوب معلوم تھا کہ امیر یزید بے قصور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امیر یزید کی بیعت پر مضبوطی سے قائم رہے مختار بھی جو شاید آپ کا رشتہ دار بھی تھا جب انتقام حسین رض کیلئے اٹھا تو آپ اس سے دور ہی رہے۔ توابین اٹھے تو بھی آپ الگ ہی رہے۔ اب ایک طرف ابن عمر رض کا یہ ارشاد اور دوسری طرف ہمارے اکابر علما کا بخاری کے درس و تدریس و مطالعہ متزاولہ کے بعد بھی (کذاب مورخ ابو مخنف کی تاریخی روایت کی بنا پر یزید کو پلید اور قاتل کہکر تسکین قلب کرنا بہت ہی عجیب ہے۔ افسوس افسوس سه

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

(ب) طبری ج ۶ ص ۲۷۳ میں ہے لما قتل الحسین قام ابن الزبیر فی مکة الخ عبداللہ ابن زبیر نے اپنی بیعت یعنی شروع کی ہشام راوی یہ قصہ ابو مخنف سے یوں روایت کرتا ہے کہ جب سیدنا حسین رض شہید ہوئے تو ابن زبیر مکہ میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے انھیں حسین کی شہادت کا غم تھا انھوں نے کوفیوں کو تو خاص طور سے الزام دیا اور عراقیوں کو عام طور پر ملامت کی۔ حمد و نعت کے بعد فرمایا " یہ عراقی با استثنائے چند سب کے سب بڑے دھوکے باز اور بدکردار ہوتے ہیں اور کوفی

تو عراقیوں میں سب سے زیادہ شریر اور فسادی واقع ہوئے ہیں و
اِنَّ اَھلَ الکوفۃ شرار اھل العراق دعوا حسیناً الخ) انھوں
نے حسینؓ کو بلایا تھا کہ انکا ساتھ دیں گے اور انکو اپنا حاکم بنائیں گے
مگر جب وہ انکے پاس پہونچے تو پھر وہی لوگ انپر ٹوٹ پڑے[۵] اور ان سے
کہنے لگے کہ یا تو تم اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھوں میں دیدو (بیعت کرو) تب تو
ہم تم کو ابن زیاد بن سُمیہ کے پاس صلح کے ساتھ بھیجیں گے کہ وہ تمہارے
بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرے اور یا تم ہم سے لڑو۔ خدا کی قسم حسینؓ
نے دیکھا کہ وہ اور انکے ساتھی لوگ اور وہ ایک بڑے مجمع میں گھر گئے
ہیں۔ خدائے عزّ وجلّ نے غیب کسی کو نہیں بتایا (حسینؓ کو بھی نہیں بتایا)
کہ وہ قتل ہو جائیں گے" الخ

(ج) تقریباً یہی طبری والا مضمون ابن اثیر نے بھی لکھا ہے۔ ہم تاریخ
ملت جلد سوم مصنفہ قاضی زین العابدین میرٹھی ص۹۱ سے اسکا کچھ اقتباس
لکھتے ہیں:۔ "حضرت عبداللہ ابن زبیر نے مکہ معظمہ میں اس حادثہ کی خبر
سنکر مجمع عام میں ایک تقریر کی آپ نے فرمایا اہل عراق بڑے غدار
اور فاجر ہیں انھوں نے حسینؓ کو بڑے بڑے وعدے کر کے بلایا جب
آپ تشریف لے گئے تو آپ کو گھیر لیا اور مجبور کیا کہ یا وہ غیر مشروط طور پر

---

۵ - عربی لفظ "ثاروا الیہ" ہے خدا کیلئے طبری کی تاریخ کے یہ الفاظ خوب یاد رکھیئے ٹوٹ پڑنے کا
پورا مفہوم مراد لیجیئے نہ معلوم ہو تو لغت زبان اور اہل زبان سے اسکا صحیح مفہوم معلوم
کیجیئے پھر آگے کا مکالمہ بھی غور سے پڑھیئے

ابن زیاد کی اطاعت قبول کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں حسینؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ مٹھی دل دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ اہل عراق کی یہ غداری اور بدعہدی قابلِ عبرت ہے لیکن جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا کیا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہم ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار کر سکتے ہیں؟ ابن اثیر نے (ج ۴ ص ۲۵۰ - ۲۶ یز) لکھا ہے کہ "جب حسینؓ نے آخری بار کہا کہ مجھے واپس جانے دو تو ایک شخص نے کہا کہ آپ میرے ابن عم ابن زیاد کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے"؟

طبری اور ابن اثیر کے ان اقتباسات سے مہربانی کر کے حضرات ابن زبیرؓ کے ان ارشادات کو اور بخاری میں ابن عمرؓ کے اس قول کو دو تین بار غور سے پڑھیے اور ان سطور سے بلکہ انکے بین السطور سے جو کچھ ایمانداری سے آپ کے دل میں آئے اسکو ذہن میں رکھکر پھر ذرا آپ ان مشہور عام واقعات پر اور بڑے بڑے اکابر علماء کی تحریروں پر غور کر کے بتائیے کہ کیا اب بھی کوئی گنجائش انکے جزم یقین کے لیے اور کوئی گنجائش انکے طعن یزید اور اس پر زور استدلال کے لیے باقی ہے؟ پھر ذرا ان اکابر علماء کی بھاری شخصیتوں کے دباؤ سے حمایت حق کے لیے الگ ہو کر فیصلہ کیجیے کہ :-

(۱) ہم کو ابن عمرؓ و ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور بخاریؒ جیسے اکابر کے اقوال کو تسلیم کرنا چاہیے یا بعد کے اکابر علماء کے اقوال کو ماننا چاہیے۔ ابن زبیرؓ

ابن زبیرؓ وغیرہ ہم عصر تھے انکو حالات براہ راست معلوم ہوئے تھے اور یہ اکابر تو مدتوں بعد آئے اور انکو طبری وغیرہ کذاب مورخوں ہی کے بتائے ہوئے واقعات معلوم ہوئے تھے جنکی بنیاد پر انکی رائے وہ بنی جو پھیلائی جارہی ہے۔

(۲) سیدنا حسینؓ کے ہم عصر صحابہؓ کے اقوال کو ماننا زیادہ قرین عقل ہے یا بعد کے مورخین و اکابر علماء کے اقوال کو۔

(۳) یہ لوگ (ابن عمرؓ۔ ابن زبیرؓ) تو حتمی طور پر کوفیوں کو قاتلِ حسینؓ فرما رہے کوئی اشارۃً بھی یزید کا نام نہیں لیتا پھر نہ معلوم یہ حضرات کس بنیاد پر یزید اور ابن زیاد کو مجرم کہتے ہیں۔

(۴) طبری اور ابن اثیر دونوں ہی کہتے ہیں کہ کوفیوں نے ہی سیدنا حسینؓ پر دباؤ ڈالا اور ٹوٹ پڑے کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر راضی ہوجایئے اور ہم سے بیعت کیجئے ورنہ ہم آپ سے لڑیں گے۔

(۵) تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۴ (احوال سنہ ۶۱ھ) میں ہے:۔

"ہشام راوی کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہ ابن یزید نے اپنے اسناد کے ساتھ غاز جرشی حمیری کا یہ قول سنایا کہ میں دمشق میں یزید کے پاس پہونچا' یزید نے پوچھا کیا خبر ہے؟ میں نے کہا اے امیرالمومنین خوش ہوجایئے کہ اللہ نے آپ کو فتح دی' آپکی مدد کی۔ ہمارے پاس حسینؓ بن علیؓ اپنے گھرانہ کے اٹھارہ افراد کے اور ساٹھ حمایتیوں کے ساتھ آئے ہم ان کے پاس گئے اور ہم نے کہا" اے حسینؓ! یا تو آپ ہماری بات مانیں

یعنی امیر ابن زیاد کے حکم پر چلنا[۵] پسند کریں یا پھر جنگ کریں تو انھوں نے جنگ کو اطاعت پر ترجیح دی تو ہم ان پر سورج نکلتے نکلتے چڑھ دوڑے اور ہم نے انکو ہر طرف سے گھیر لیا تو جب تلواریں انکی کھوپڑیوں پر پڑنے لگیں تو وہ بھاگنے لگے اور ٹیلوں اور گڈھوں میں پناہ لینے لگے۔ جس طرح شکرے سے بھاگ کر کبوتر کہیں چھپنا چاہتا ہے۔ اسے امیر المومنین خدا کی قسم بس اتنی دیر لگی ہوگی جتنی دیر کسی جانور کو ذبح کرکے کھلیانے میں لگتی ہے یا دوپہر کو قیلولہ کرتے ہیں کہ ہم نے انکا خاتمہ کر دیا" انتہی

غور کیجئے اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ کوئی شہادت اور اعتراف جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ مجرم کوفیوں ہی کا ایک آدمی یزید سے جاکر اسکی خوشنودی حاصل کرنے کو ایسی بدتمیزی اور ڈھٹائی سے سیدنا حسین رضؓ کا تذکرہ کرتا اور انکی شہادت کو اپنا کارنامہ بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف گھنٹے دو گھنٹے میں ہم نے حسین رضؓ کا اور انکے رفقاء کا خاتمہ کر دیا۔ وہ صاف کہتا ہے کہتا ہے کہ حسین رضؓ ہمارے پاس آئے اور ہم نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا کہنا مانو۔ ظاہر ہے کہ حسین کوفیوں ہی کے بلانے پر وہاں گئے تھے پھر وہ کوفی خود جاکر یزید سے صاف کہتا ہے کہ ہم نے انکا خاتمہ کر دیا۔ کیا اسکے بعد بھی علماء اہلسنت یزید کو مجرم اور پلید کہیں گے؟

۵۔ اسے بار بار پڑھئے اور غور سے پڑھئے طبری یہاں پیچیدگی پیدا کرنا چاہتا ہے اوپر آیا ہے کہ کوفیوں نے کہا تم اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دو ورنہ جنگ، اب یہاں کہتا ہے کہ ابن زیاد کے حکم پر چلیں ۱۲۔

(۲) عمار دہنی کی روایت طبری کہتا ہے (ج ۶ ص ۲۲۲) ان اشیاخاً من اهل الکوفة لوقوفٌ علی التل یبکون ویقولون اللّٰهم انزل نصرک الخ مجھے سعد بن عبیدہ نے بتایا کہ کوفیوں کے معزز بوڑھے لوگ ٹیلے پر کھڑے تھے اور روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ! (حسین کے لیے) اپنی مدد نازل کر تو ہم نے کہا اے اللہ کے دشمنو! تم اتر کر نیچے کیوں نہیں جاتے کہ خود انکی مدد کرو۔ اتنے میں ابن زیاد کا قاصد آیا اور حسین اس سے باتیں کرنے کو متوجہ ہوئے میں انکو دیکھ رہا تھا وہ ایک دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے تھے جب گفتگو فرما چکے تو واپس چلے گئے کہ اتنے میں بنو تمیم کے ایک آدمی نے جس کا نام عمر طہوی تھا سیدنا حسین پر ایک تیر چلایا (از سراج: لطیفہ یہ کہ یہی بنو تمیم سیدنا حسینؓ کے حمایتی اور دوست تھے چنانچہ انکے سترہ آدمی کربلا میں سیدنا حسینؓ کی حمایت بھی کر رہے تھے اور قتل بھی ہوئے تھے) تو وہ تیر حسینؓ کے کاندھے پر جا کر چادر میں گڑ گیا جب لوگوں نے انکار کر دیا تو وہ بھی جنگ کے لیے لوٹ پڑے میں انکے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا وہ لوگ سو کے قریب تھے۔ سیدنا علی کے بیٹوں میں سے پانچ۔ بنو ہاشم کے سولہ۔ ایک بنو سلیم کا جوان حلیف تھا۔ ایک بنو کنانہ کا حلیف تھا۔ ایک عمر بن زیاد کا لڑکا۔ عمر طہوی یہ جنگ کا سگنل تھا۔ (انتباہ) میں نے انکشاف حقیقت کے تحت اپنا جو نظریہ اور شہادت حسین کے معمے کا جو حل لکھا ہے وہ انہیں پانچ (بعض حدیثی اور

اور بعض تاریخی) دلائل کی بنیادوں پر لکھا ہے اور حضرات شیعہ کی کتابوں سے بھی اسکی تائید حاصل کر کے لکھدی لیکن چونکہ یہ شہادت حسین کا پیچیدہ مسئلہ عمر اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ اسلئے اندیشہ ہے کہ ناظرین ابھی صورت حال کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے ہونگے اس لئے ایک بار پھر میں اوپر کے بیانات سے شہادت کی گتھی سلجھا کر لکھے دیتا ہوں:-

(١) ڈیڑھ دو سو خطوط کے بعد تیس چالیس بلکہ زیادہ قاصد صرف اسلئے بھیجے گئے تھے کہ سیدنا حسین بھولے تو ہیں ہی انپر ترغیب و تحریص کا اتنا دباؤ ڈالو کہ انکی قوت فیصلہ بیکار ہو جائے اور عمر ان پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ رہیں (٢) کوفہ پہونچنے سے پہلے پہلے جب بھی سیدنا حسینؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو ترغیب و تحریص کا ایسا ہی دباؤ برابر انپر ڈالا جاتا رہا (٣) کوفہ میں سلیمان بن صرد اور نجبہ فزاری جیسے "اشیاخ کوفہ" کے پاس آپکا پہونچنا تھا کہ پھر آپ ان منافقین اور معاندین کے ہاتھوں میں پھنس کر رہ گئے اسی طرح جس طرح سیدنا علیؓ مدینہ اور کوفہ میں شہادت عثمان کے بلوائیوں کے ہاتھوں میں بے بس و مجبور تھے (٤) ان کوفیوں نے سیدنا حسین کے بلانے میں تو وہ شوراشوری دکھائی تھی یا اب یہ بے نمکی دکھانے لگے کہ انپر دباؤ ڈالنے لگے کہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرو تب ہم تمکو اپنا آدمی بنا کر اپنے ابن عم ابن زیاد گورنر کے پاس لیچلیں گے پھر وہ جو فیصلہ کرے اور اگر تم ہماری بیعت نہیں کرتے (بیعت کرنا ان معنوں میں کہ بالکل ہمارے ہم خیال بن جاؤ جو ہم کہیں

وہ کرو جسکو ہم جیسا خط تم سے لکھوائیں ویسا لکھو جن شرائط پر ہم تمکو ابن زیاد کے سامنے پیچل کر پیش کریں انکو تسلیم کرو) تو پھر ہم تم سے لڑیں گے اور تم کو ہم سے لڑنا پڑیگا (۵) سیدنا حسینؓ سے تو ایسا کچھ کہا اور ادہر شمر وغیرہ کو حکومت میں کچھ نہ کچھ دخل وور خور بھی حاصل تھا حکومت میں رسائی کے اسی بل بوتے پر انھوں نے سیدنا حسینؓ کی چغلی کردی کہ وہ حکومت کا تختہ الٹنے آرہے ہیں۔ ابن زیاد جب گورنر بنکر ڈھاٹا باندھے تنہا کوفہ میں دوپہر کو پہونچا تو اسکو السلام علیک یا یا ابن رسول اللہ کے لفظ سے سلام کرنا اسی چغلی کی ایک کڑی تھی اور حکومت میں رسائی ہی کے بل بوتہ پر انھوں نے سیدنا حسینؓ کو گویا اپنے حلقہ میں قید کرلیا تھا (۶) سیدنا حسینؓ امارت وحکومت کی محبت رکھنے کے ساتھ مثل سیدنا ابوذر کے ضعیف تھے اور اس کے ساتھ ساتھ سید شباب اہل جنۃ ہونے کیوجہ سے بھولے تھے عزم قوی نہ رکھتے تھے اسلئے آخر وقت تک نہ فیصلہ کرسکے کہ یہ کوفی بھیڑ ہیں یا بھیڑیے اسلئے انکی باتوں سے برابر دھوکا کھاتے اور ان سے برابر تجدید عہد و پیمان ہوتے رہے اگر عزم کے قوی ہوتے اور ہمت کرکے (خود براہ راست بغیر وساطت اہل کوفہ کے ابن سعد کو لیکر ابن زیاد کے پاس چلے جاتے تو انکے نبی زادگی کے وقار اور بازوئے حیدر کرار اور حملۂ ذوالفقار کے سامنے مجال نہ تھی ان منافق کوفیوں کی کہ وہ آپکو نہ جانے دیتے (۷) یہ حال ۱۰ محرم کی صبح تک رہا۔ صبح اپنی گھات میں اور صیاد

اپنی تدبیر میں - جب ۱۰ محرم کی صبح کو آپ نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اہل کوفہ کو صاف جواب دیدیا اور کہا کہ میں جاتا ہوں ابن زیاد سے ملنے اور پھر وہاں سے یزید کے پاس جاؤنگا اس سے گفتگو کرنے کے پہلے اس سے کہونگا کہ حکومت سے دستبردار ہو جائے اور امت جسے منتخب کرنا چاہے موزوں تر کو خلیفہ ہونے کے لئے چن لے اس لئے آپ لوگ میرا ساتھ چھوڑ دیجئے میں بخوشی آپکو جانے کی اجازت دیتا ہوں تو کچھ لوگ تو چلے گئے مگر بہت سے رہ گئے وہ یہ منصوبہ بنا کر رہ گئے تھے کہ ایک آدمی سیدنا حسین رضؓ کو تیر مار کر جنگ کا افتتاح کر دے پھر سب لوگ جنگ مغلوبہ شروع کردو اور انکو نہیں نپٹادو، یہ ہمارے ہاتھ سے نکلکر ہماری جان کے دشمن بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ سیدنا حسین رضؓ نے ابن سعد نے بہت بہت روکا مگر کوئی نہ رکا یہاں تک کہ آپ کو شہید کر دیا انا للہ۔

اس نظریہ میں اتنا اور ملا لیجئے کہ عبد اللہ بن سبا نے اسلام لاکر سیدنا عثمان رضؓ سے عہدہ مانگا تھا مگر انھوں نے نہیں دیا۔ ابن سبا کا منشا یہ تھا کہ عہدہ پاکر اقتدار اور دباؤ سے تخریب اسلام کا کام زیادہ کر سکونگا۔ سیدنا حسین کو کوفیوں نے بھی اسی لئے بلایا تھا کہ انکے ہاتھ پر بیعت لیکر پھر زور لگا کر انکو حاکم اور خلیفہ بنائیں گے اور ہم سب انکے وزیر مشیر بنے رہینگے اور اپنی من مانی کرینگے، حسین رضؓ کو آڑ بنائے رہینگے مگر انکو کچھ کرنے نہ دینگے بس اگر حکومت ملگئی تو فبہا نہ ملی تو تخریب اسلام۔ یہ تھا ان کوفیوں کا اصل منصوبہ

فصل پنجم

چند متعلقاتِ سانحہ

خروج سیدنا حسین رضؓ امام ابن تیمیہ رحؒ نے لکھا ہے وکان فی خروجہ و قتلہ من الفساد مالم یکن یحصل لو قعد فی بلدہ..... (الی) وکان قتل الحسین مما اوجب الفتن " (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۴۱)

یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے اور آپکے قتل و شہادت سے ایسی خرابیاں پیدا ہوگئیں کہ اگر آپ اپنے وطن میں قیام کئے رہتے تو وہ خرابیاں نہ ہوتیں کیونکہ انھوں نے جس خیر کے حاصل کرنے اور جس شر کو دفع کرنے کا ارادہ کیا تھا انہیں سے کچھ بھی نہ ہوسکا ہاں انکے خروج اور شہادت سے شر بڑھ ہی گیا اور خیر کم ہوگئی اور وہ خروج بہت بڑے شر کا سبب بن گیا۔ غرض شہادت حسین رضؓ نے بہت سے فتنوں کو لازمی طور پر ابھار دیا ہے"۔

مورخ خضری کے چند جملے ہم اختصار کیلئے لکھتے ہیں (۱) غرض اس اندوہناک صورت حال پر یہ حادثہ ختم ہوا جو جلد بازی اور انجام سوچے بغیر کام کرنے کیوجہ سے پیش آیا (۲) حسین رضؓ نے اہل عراق پر حسن ظن اور اعتماد کیا حالانکہ وہ انکے والد سے بھی جو ان سے زیادہ بہتر تھے یہی فریب کر چکے تھے (۳) مختصر یہ کہ سیدنا حسین رضؓ نے (اخطأ

خطاً عظیما فی خروجه الخ) اپنے اس خروج میں بڑی بھاری غلطی کی جس سے امت پر فرقہ بندی اور اختلاف کا وبال آپڑا اور اس نے آج تک امت کی باہمی الفت کی عمارت کو ہلا کر دھر دیا۔ تو فی الواقع دشمنان دین نے سانحہ کربلا کی آڑ میں جو خرابیاں پیدا کر دی ہیں انھوں نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور ملت کی عمارت کو ہلا دیا۔ بعض قبائح یہ ہیں:۔

(۱) شیخین (ابو بکر و عمرؓ) جیسے اکابر کے برابر اور مقابل حسنین کو بنا دینا۔ اہلبیت رسول امہات المومنینؓ کا درجہ گرا کر اہلبیت حدیثی (علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ) کو بے پناہ شہرت دینا۔ خلفاء اربعہ کے مقابل پنجتن کا نظریہ پھیلانا۔ عشرہ مبشرہ کے جواب میں اثنا عشر کا تخیل پھیلانا اسطرح امت کو اکابر سے بے خبر یا برگشتہ کرنا (۲) بعض صحابہ (حضرات سیدنا معاویہ و عمرو بن العاص و نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم) سے بغض و نفرت کی عام اشاعت (۳) بعض تابعین (یزید، ابن سعد رحمہم اللہ) سے بغض و نفرت کی عام اشاعت ان دو کی تفصیل تو گزر چکی (۴) سیدنا حسینؓ کو سید الشہداء ماننا اور منوانا (۵) شہادت حسینی کو فی سبیل اللہ قسم کی ماننا (۶) استخلاف یزید کو خلاف شریعت سمجھنا وغیرہ اس لیے مختصراً آخر کی تین بحثوں کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے

(۱) دس شہدائے اسلام اور انکے مدارج

اسلام میں شہادت کربلا سے قبل کی چند ممتاز انفرادی شہادتیں

یہ ہیں: شہادت سیدنا حمزہؓ ۔ شہادت سیدنا عمر فاروقؓ ۔ شہادت سیدنا عثمان بنؓ
شہادت سیدنا علیؓ ۔ شہادت سیدنا عمارؓ ۔ سیدنا طلحہؓ ۔ شہادت سیدنا زبیرؓ
شہادت سیدنا حسنؓ ۔ شہادت سیدنا حسینؓ ۔ شہادت سیدہ سمیہ تالاث عشرۃ کاملۃ

دیکھنا یہ ہے کہ آیا ہم کو قرآن پاک میں جنگ و جہاد و شہادت کے مدارج کے یا شہیدوں کے افضل و مقبول ہونے کے بارہ میں کوئی روشنی ہدایت و مدا ملتی ہے یا نہیں، تاکہ ہم شہادتوں اور شہیدوں کے درجات مقرر کرنے میں ارشاد قرآنی ہی کے مطابق عقیدہ بنائیں اور جب ہم قرآن کی روشنی میں اپنا عقیدہ صحیح کریں تو ہمکو بالکل پروانہ ہونی چاہیئے کہ ساری دنیا کیا عقیدہ رکھے ہوئے ہے۔ مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایسے عقیدہ پر ساری دنیا اسے برا کہے یا اسکی مخالفت کرے تو سب کی مخالفت گوارا کرے مگر قرآن کے خلاف عقیدہ نہ رکھے۔ قرآن پارہ ۲۷ سورہ حدید میں ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح الخ یعنی تم میں سے جس نے فتح مکہ (۸ھ) سے قبل (خدا کی راہ میں) مال خرچ کیا ہو یا قتال کیا ہو ان لوگوں کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدرجہا عظیم ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے بعد فتح مکہ مال خرچ کیا ہو یا قتال کیا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ نے تو انمیں سے ہر ایک درجہ کے مجاہدوں سے اچھائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے۔" دیکھئے یہ آیت ہمکو بتاتی ہے کہ جن صحابہ رسولؐ رضوان نے خود حضورؐ کی ہمرکابی میں ۸ھ سے پہلے مالی یا جانی قربانی خدا کی راہ میں دی ہے انکا درجہ خدا کی نگاہوں میں ان تمام قربانیوں سے بدرجہا

بڑھکر ہے جو ۸ھ کے بعد کی گئی ہو خواہ وہ حضورؐ کی ہمرکابی ہی میں ہو۔ اب ظاہر ہے کہ اس آیت کی رُو سے بعد فتح مکہ جو حضورؐ کی ہمرکابی میں کفار سے لڑے اور شہید ہوئے ان سب کا درجہ بھی ۸ھ سے قبل کے شہداء سے کم اور بہت کم ہے اور پھر وہ جو حضورؐ کے بعد شہید ہوئے انکا درجہ تو اور بھی کم ہو گا۔

(۱) اس قرآنی معیار سے ہم کو جنگ بدر ۲ھ میں اور جنگ احد ۳ھ میں شہید ہونے والے تمام صحابہؓ کو بعد کے تمام شہدائے اسلام سے افضل، اعظم ماننا اور بعد کے شہدائے اسلام کو ان سے بدرجہا کم ماننا پڑیگا کہنا اور لکھنا پڑیگا دوسروں کو بتانا پڑیگا اسکے برخلاف اگر کسی بعد کے شہید کو انکے برابر یا ان سے افضل مانیں گے تو میرے نزدیک کفر صریح ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہؓ (شہید احد) کو سید الشہدا فرمایا۔ غور کیجئے انھوںؓ نے کافروں سے جنگ کی جنگ بلاشک کفر و اسلام کی تھی، اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی۔ رسولؐ کی ہمرکابی میں تھی۔ اور اسؓ جنگ میں انھوں نے منہ نہیں موڑا تھا۔ پھر ان سب سے بڑھکر یہ کہ انکاؓ جسم مبارک مُثلہ کیا گیا کہ ناک کان کاٹے گئے سینہ چاک کیا گیا۔ ان خصوصیات کے باعث عقلی طور پر بھی انکی شہادت بقیہ شہدائے اسلام سے افضل معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے اگرچہ بہت سے صحابہؓ کی (سیدنا عمرؓ عثمانؓ۔ علیؓ) کی شہادت کی خبر پہلے ہی سے دیدی تھی مگر کسی کو سید الشہدا

کا لقب عطا نہیں فرمایا۔

(۲) سیدنا عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کی شہادت ذیحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ کے حرم میں۔ مسجد نبوی میں۔ نماز کی حالت میں۔ ایک یقینی کافر ایرانی کے ہاتھوں ہوئی۔ حضورؐ نے آپکی ذات کو فتنہ روکے رکھنے والی بتایا تھا

(۳) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ۳۵ھ میں حرم مدینہ میں تو ہوئی مگر مسجد نبوی میں نہیں بلکہ دار عثمان یا دارالامارہ میں ہوئی اور منافق بلوائیوں کے ہاتھوں ہوئی اور دو تین ہفتہ محصور اور بھوکا پیاسا رکھکر اور مسجد نبوی جیسی محبوب جگہ کی حاضری اور نماز جماعت سے محروم رکھکر ہوئی اور حضورؐ کے ارشاد (کہ قمیص خلافت نہ اتارنا چاہے اسمیں جان بھی چلی جائے) کی تعمیل میں ہوئی۔ اور باوجود اقتدار حکومت رکھنے کے بہ طوع و رغبت ہوئی۔ اور روزہ اور تلاوت قرآن کی حالت میں ہوئی۔

(۴) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں اگرچہ حضورؐ کی پیش گوئی کے مطابق "اشقی ہذہ الامۃ" کے ہاتھوں ہوئی مگر وہ بھی اصل شہادت عثمانؓ کے فتنہ ہی کا ایک شاخسانہ تھی۔ یہ شہادت مدینہ شریف سے باہر کوفہ میں ہوئی اور مسجد کو جاتے ہوئے راستہ میں زخم لگا اور دو تین دن بعد گھر میں انتقال فرمایا۔

(۵) شہادت عمار رضی اللہ عنہ ۳۷ھ میں صفین میں انھیں بلوائیوں کے ہاتھوں ہوئی جن کا منصوبہ اکابر صحابہؓ کو قتل کرنے کا

تھا اور جو لشکر علی میں موجود تھے مگر نفاق سے اسلام سے خلیفہ اسلام سیدنا علی سے بغاوت دل میں لئے ہوئے تھے اس طرح حضورؐ کی پیش گوئی کہ اے عمارؓ! افسوس تم کو ایک باغی ٹولی قتل کردیگی" پوری ہو کر رہی - ہوا یہ کہ صفین کی لڑائی میں ایک موقع پر حضرت علیؓ اور انکے ساتھ حضرت عمارؓ تو چاہتے تھے کہ جنگ جاری رہے مگر اس باغی ٹولی کی مصلحت اسمیں تھی کہ جنگ بند کر دی جائے چنانچہ ان سبھوں نے ہاتھ روک بھی لئے حضرت علی نے جب سختی سے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا تو اس باغی ٹولی نے انکو تو یہ جواب دیا کہ "لڑائی بند کرنے کا حکم دو ورنہ ہم تم کو اسی طرح قتل کر دینگے جس طرح ابھی کل عثمانؓ کو قتل کر چکے ہیں" (خلافت راشدہ ص۱۵۳) اور حضرت عمارؓ جو جنگ پر اصرار کر رہے تھے انکو شہید ہی کر ڈالا اور الزام لگا دیا کہ یہ چونکہ لشکر علیؓ کے سپاہی تھے اسلئے کسی شامی نے انکو قتل کر دیا۔

(۶، ۷) شہادت سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما: سیدنا طلحہؓ کی شہادت بصرہ کے قریب جنگ جمل میں ۳۶ھ میں ہوئی اور ذریات ابن سبا میں سے کسی نے چھپ کر انکو تیر سے شہید کیا اور حضرت مروان کا نام لگا دیا اور سیدنا زبیرؓ کو بھی جنگ جمل میں جب وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر جا رہے تھے ایک منافق سبائی ابن جرموز نے شہید کر دیا حضورؐ بہت پہلے ہی انکے قاتل کے جہنمی ہونے کی اطلاع دے چکے تھے

(۸ و ۹) - شہادت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما - ان دونوں حضرات کو بھی شہادت تو یقیناً حاصل ہوئی مگر سیدنا حسن کو تو انکی ایک بیوی نے باغی ٹولی سے سازش کر کے زہر دیدیا اور انھوں نے ۴۹ھ میں بعمر ۴۶ سال گھر میں انتقال فرمایا اور سیدنا حسین رض کو کوفیوں نے حکومت کا سبز باغ دکھا کر بلایا اور عراق کے شہر کوفہ کے نواح میں ۶۱ھ میں بعمر ۵۰ سال شہادت پائی اور یہ شہادت ایک پولیٹیکل (سیاسی جھگڑے میں عام بلوہ اور قتال فتنہ میں ہوئی۔ انکی شہادت سے بدرجہا افضل تو انکے خلیرے بھائی علی بن ابو العاص کی تھی جو جہاد جلولا میں شہید ہوئے۔

(۱۰) شہادت سیدہ سُمیہ رضی اللہ عنہا: انکی شہادت ۷ نبوی میں مکہ میں ابو جہل کے نیزہ کے زخم سے ہوئی۔ اگرچہ قبل فتح مکہ یہ شہادت ہوئی اس لحاظ سے اسے سب سے افضل ہونا چاہیے تھا مگر شہادت حمزہ میں اور شہادت سمیہ میں فرق یہ ہے کہ بی بی سُمیہ کی شہادت انکے قصد و ارادہ اور طوع و رغبت سے نہیں ظلماً اور اضطراراً ہوئی اور اس حالت میں ہوئی کہ انھوں نے ابو جہل کو کچھ سخت سست کہدیا تھا جس پر اس نے مشتعل ہو کر انھیں قتل کر دیا۔

اب ذرا جذبات عقیدت کے دباؤ اور بے پناہ پروپیگنڈے کے خوف و رعب سے الگ ہو کر مذکورہ قرآنی ارشاد کی روشنی میں سید الشہدا افضل الشہدا ہونے کا فیصلہ کریجیے (میں نے تو فضیلت ہی کی ترتیب سے انکا ذکر کیا ہے) اب معلوم ہو گیا کہ شہادت حسین رض نہ فی سبیل اللہ تھی نہ بنا ر لا الٰہ تھی نہ مذکورہ نو شہدائے اسلام سے افضل تھی نہ انکے برابر تھی

(۲) شہادت کے اقسام اور انمیں شہادت حسینی کا مقام

احادیث نبوی کا عادلانہ اور حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کی تیرہ قسمیں ہیں:۔

(۱) فی سبیل اللہ، اسکی تشریح و تعریف آگے آتی ہے (۲) جو موت طاعون میں واقع ہو (۳) وہ موت جو ہیضہ یا پیٹ کی دوسری بیماریوں میں واقع ہو (۴) جو موت بلا ارادہ پانی میں ڈوب جانے سے واقع ہو (۵) جو موت بلا قصد آگ میں جل جانے سے واقع ہو (۶) جو موت ذات الجنب کی بیماری میں واقع (۷) وہ موت جو مکان یا درخت سے دیکر واقع ہو (۸) وہ موت جو عورت کو زچگی میں واقع ہو (۹) وہ موت جو اپنے مال و اسباب کی حفاظت میں آجائے (۱۰) وہ موت جو کسی سے قصاص لینے کے سلسلہ میں واقع ہو (۱۱) وہ موت جو اپنا دین بچانے کے سلسلہ میں آجائے (۱۲) وہ موت جو اپنے بال بچوں کی آبرو بچانے میں آجائے (۱۳) وہ موت جو کسی کے ظلم و زیادتی سے مجبوری کیحالت میں آجائے (جمع الفوائد دوم ص۶)

شہادت کی اگرچہ یہ تیرہ قسمیں ہیں مگر ان سب میں اعلیٰ قسم "شہادت فی سبیل اللہ" ہے جسکی شرائط اور خصائص یہ ہیں: جنگ کافروں سے ہو، اعلائے کلمۃ اللہ (خدا کا بول بالا کرنے کیلئے ہو۔ اسکا ارادہ نے اور نکل چکنے کے بعد بیٹھ نہ دکھائی جائے واپسی کا ارادہ

نہ کیا جائے۔ حریف سے واپسی کی اجازت اور طلب رحم نہ کیا جائے۔
اس تعریف کو ذہن میں رکھکر جذبات اور شہرت عام سے الگ ہوکر
غور کیجئے۔ پہلی بات۔ دیکھئے سیدنا حسینؓ جن سے لڑے وہ کافر نہ تھے
مسلمان تھے فسق و نفاق کے ساتھ بھی مسلمان تھے۔ بی بی ام سلمہؓ
کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل نے حضورؐ سے اور حضورؐ نے شیخینؓ
سے کہا کہ آپکی (میری) امت اس بچے (حسینؓ) کو شہید کریگی تو حضورؐ
نے جبریل سے اور شیخینؓ نے حضور سے استعجاباً پوچھا کہ وہ مسلمان
ہوکر اس بچہ کو قتل کرینگے تو حضرت جبریل نے حضور سے کہا اور
حضور نے شیخین سے فرمایا ہاں وہ مسلمان ہونگے (جمع الفوائد دوم ص ۲۱۸)
اب دوسری بات دیکھئے کوفیوں نے آپکو بیعت و حکومت ہی کا
لالچ دیا تھا۔ اور آپ سیدنا حسنؓ سے انتقال خلافت کے اور حضرت معاویہؓ
سے صلح کرنے کے معاملہ میں اختلاف رکھتے تھے۔ آپ پوری طہارت
نفس و تقدس کے ساتھ یہ نہیں چاہتے تھے کہ گھر میں آئی ہوئی خلافت
و حکومت چلی جائے۔ آپکو وہ صلح پسند نہ تھی جس کو حضورؐ نے پسندیدگی
اور مسرت کے لہجے میں فرمایا تھا۔ بہرحال یہ جنگ یا تو طلب حکومت
کیلئے تھی یا دفع تسلط یزید کیلئے تھی (بشرطیکہ موقع ملتا) یا اصلاح حال
کے لئے اگر واقعی یزید کی تمام قلمرو میں کوئی ابتری و برہمی تھی (اگر
باغی ٹولی والوں کی فتنہ پردازیوں کا ذکر نہ بھی کیا جائے) اب تیسری بات
کو لیجئے، سیدنا حسینؓ نے جیسا کہ تاریخ ملت سوم (بحوالہ ابن اثیر)

سے اوپر نقل کر چکا ہوں کہ آپنے کوئی چار پانچ بار حریف سے رحم اور واپسی کی اجازت طلب کی۔ اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ یہ شہادت فی سبیل اللہ اور جہاد اور احیاء معالم دین وغیرہ کیونکر ہے؟ غور اور انصاف کیجئے گا تو شاید اسے قتال فتنہ یا دعوتِ ہلاکت کہیئے گا حالانکہ قرآن میں ہے لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔

(۳) استخلاف یزید کو خلاف شریعت جاننا

ابلیس ثانی ابن سبا یہودی کی ذریت نے مسلمانوں پر یہ جادو کچھ ایسا پھونک دیا ہے کہ غالباً پہلی صدی ہجری کے بعد ہی سے پہلے تو ایک محدود اور معدود ٹولی نے یہ عقیدہ رکھا پھر اس نے مختلف تدابیر سے رفتہ رفتہ اسکو ایسا پھیلایا کہ آج عوام سے لے کر علماء تک ہر شخص یہی سمجھ رہا ہے کہ "سیدنا معاویہؓ نے (نعوذ باللہ) بددیانتی سے اور خوف خدا۔ شرم رسول اور خیر خواہی اسلام سے یکسر آنکھ بند کر کے محض نفسانیت سے امت پر جبر و ظلم کر کے آمرانہ حکم دیا کہ سب لوگ یزید کی بیعت کرو ورنہ گردن مار دیجائیگی" چنانچہ جھوٹی تاریخ نے انھیں الفاظ میں اس سفید جھوٹ کو اپنے دامن میں ٹانک لیا (دیکھئے ابن اثیر وغیرہ) اس بحث میں تین باتیں غور طلب ہیں:-

اول یہ کہ احادیث و آثار کی رو سے کسی خلیفہ کے بعد اسکا

صاحب اہلبیت فرزند بادشاہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت سیدنا معاویہؓ نے اپنے بعد جو اپنے فرزند یزید کو امت پر خلیفہ بنا دیا تو اسمیں (جہاں تک کسی کے شخصی حالات و خیالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے) امت کا مفاد ملحوظ تھا یا سیدنا معاویہؓ نے نفسانیت سے ایسا کیا؟ تیسرے یہ کہ یزید خلیفۂ اسلام ہونے کا اہل تھا یا نہیں؟

امر اول: (۱) قرآن میں ہے کہ بنی اسرائیل سے ایک بار پیغمبر وقت (حضرت صموئیلؑ) نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو ملک اور بادشاہ بنانے کا حکم دیا ہے" دیکھئے قوم میں پیغمبر جیسی ملکوتی صفت عالم و شجاع شخصیت بھی موجود، دولت مند اشخاص بھی موجود مگر اللہ تعالیٰ نے سیاست ملکی کی اہلیت کا معیار نہ تو تقدس و ملکوتیت کو بنایا نہ دولت کو بلکہ "بسطةً فی العلم والجسم" یعنی علم سیاست مدن اور جسمانی صحت کو بنایا اور طالوت کو (جو ایک کم عزت والے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے) حکومت و بادشاہت عطا کی۔ معلوم ہوا کہ بادشاہی میں پیغمبر زادگی نہیں بلکہ علم سیاست کی مہارت کام آتی ہے۔

(۲) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش اسامہ میں حضرات ابوبکرؓ و علیؓ کو (بلکہ تمام حضرات عشرہ مبشرہ کو رضی اللہ عنہم) عام سپاہی بنایا اور اٹھارہ برس کے نوعمر اسامہؓ کو سپہ سالار۔ یا حضورؐ نے اپنی وفات کے وقت جو یہ فرمایا تھا یابی اللہ والمومنون الا ابابکر (یعنی ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کے خلیفہ ہونے پر نہ اللہ راضی ہوگا اور

نہ مسلمان) تو حضورؐ نے اپنی خلافت بلافصل کیلئے ابو بکر تیمیؓ کو اسی لئے نامزد کیا کہ خلافت اسلامی کے لئے اہلیت درکار ہے نہ کہ حضورؐ سے قرابت ، دوسرے یہ بھی کہ حضورؐ کے قریبی رشتہ داروں (یعنی ہاشمیوں اور امویوں) کا قومی و خاندانی فخر ختم ہو جائے ۔

(۳) حضرت علیؓ نے روایت کی ہے کہ " حضورؐ سے پوچھا گیا کہ ہم آپ کے بعد بلافصل امیر و خلیفہ کسے بنائیں ؟ تو آپ نے فرمایا ابو بکرؓ کو بناؤ گے تو بھی ٹھیک ہے انکو تم ایسی ایسی خوبیوں والا پاؤ گے ۔ اور عمرؓ کو بناؤ گے تو بھی ٹھیک ہے انکو ایسی ایسی خوبیوں والا پاؤ گے اور (تیسرے نمبر پہ فرمایا) اگر علیؓ کو بناؤ گے تو بھی ٹھیک ہے ان کو ایسی ایسی خوبیوں والا پاؤ گے مگر یہ بھی کہدیا تھا کہ " ولا اراکم فاعلیہ یعنی میں تو تم کو نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے " (مشکوٰۃ) ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سرکردہ قوم کے بعد اسکا صاحبِ اہلیت داماد یا بیٹا اسکا قائم مقام ہو سکتا ہے تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سیدنا علیؓ حضورؐ کے بعد بلافصل خلیفہ ہو سکتے تھے اس میں کوئی قباحت نہ تھی (قباحت ہوتی تو حضورؐ اسکی اجازت کیسے دیتے) اب یہ دوسری بات ہے کہ حضورؐ نے حق تعالےٰ سے غیبی اشارات پاکر یہ بھی بتادیا کہ علیؓ یا کوئی دوسرا شخص پہلا خلیفہ بن ہی نہیں سکتا اللہ تعالےٰ کو منظور یہی ہے کہ ابو بکر تیمیؓ آپؐ کے خلیفہ (خلیفہ بلافصل) بنیں خلافت بلافصل کے اہل انکے سوا کوئی دوسرا نہیں اور انکے بعد کے

خلیفہ جو ہوں وہ خلیفۂ رسولؐ نہیں صرف خلیفۂ ابوبکرؓ بنیں گے حضرت علیؓ نے بھی جو زخم کھانے پر لوگوں کے سوال کے جواب میں حضرت حسنؓ کی جانشینی کے لئے فرمایا کہ نہ میں تم کو اسکا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں" اور آپ نے اپنے بعد حضرت حسنؓ کو نماز کی امامت کا حکم دیا جو اشارہ تھا کہ میرے بعد حسن تم پر خلیفہ بنیں تو اسی لئے کہ بادشاہ وقت کے بعد انکا اہل فرزند بادشاہ ہوسکتا ہے اسمیں شرعی قباحت نہیں ۔

امر دوم : (۱) حضرت معاویہؓ صحابیٔ رسولؐ ۔ حضورؐ کے دو پشت کے چچیرے بھائی اور حضورؐ کے برادر نسبتی تھے ۔ حضورؐ سے ہادی و مہدی ہونیکی دعا پائے ہوئے تھے اور مجتہد تھے انھوں نے یزید کو امت کا خلیفہ بنایا اور صحابہ و مسلمانوں کے مشورہ سے بنایا ۔

(۲) ۵۶ھ میں جب امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولیعہد بنایا تھا بہت سے صحابہؓ (تقریباً سوا سو ڈیڑھ سو) اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم بقید حیات تھے اُن سب نے ولیعہدی کی بیعت کی کسی نے انکار نہیں کیا صرف سیدنا حسین اور زبیر رضی اللہ عنہما کو اس سے انکار تھا تو سب کو معلوم ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں ان دونوں کو خلافت کی خواہش تھی ۔ ابن عمرؓ بھی پہلے تو کچھ رکے تھے مگر بعد میں انھوں نے بھی بیعت کرلی ۔

(۳) امیر معاویہؓ نے ہر صوبہ کے گورنروں کو بلوایا ان سے مشورہ لیا

کہ میرے بعد خلافت کا کیا انتظام کیا جائے۔ کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرات سعد بن عبادہ انصاری اور حضرات عباس ہاشمی و علی ہاشمی رضی اللہ عنہم خلافت رسول کی خواہش کر سکتے تھے تو اب تو وہ قرن بدل گیا لوگ بدل گئے طبیعتیں اور حالتیں بدل گئیں اسوقت تو میرے بعد خلیفہ ہونے کے حقدار صحیح حسب ذیل کئی حضرات ہیں:۔

صحابۂ عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا ابن ابی وقاصؓ۔ اور سعیدؓ بن زید اور صحابی زادوں میں سے جو خود بھی صحابی ہیں عبداللہ بن عمرؓ۔ ابان بن عثمانؓ۔ حسین بن علیؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ ان میں سے حضرات ابن عمرؓ۔ ابن عثمانؓ۔ ابن علیؓ تو خلفاء کے بیٹے ہونے کیوجہ سے شہزادوں کی حیثیت رکھتے اور خلافت و امارت کے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسری طرف رعایا میں باغی ٹولی (الفئۃ الباغیہ) خفیہ فتنہ پھیلا رہی ہے وہ شورش مچائے بغیر نہ رہیگی وہ ان حقداران خلافت کو خاصکر سیدنا حسین کو ضرور ابھاریگی۔ تیسرے اسوقت خدا کے فضل سے ملک میں امن قائم ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ یہ سب صحابہؓ خدا ترس ملت کے خیر خواہ تھے سب نے یزید کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا مگر یہ بھی بتا دیا کہ یزید میں کچھ "فعلات" بھی ہیں (جنکی تحقیق گزر چکی) اسکے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے جب

کہا کہ " اگر آپ خلافت کو اپنے خاندان سے باہر جانے دیجئے گا تو ہر حقدار خلافت کے ساتھ کچھ کچھ لوگ ہو جائیں گے اور سخت خانہ جنگی اور خونریزی ہوگی اس لیئے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیے وہ تجربہ کار۔ دانشمند۔ دین کا اہتمام کرنے والا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اسوقت اسمیں کچھ تفریحیں (سماع کا شوق۔ اپنی جائز لونڈیوں اور بیوی کی طرف زیادہ رغبت۔ شاعری۔ چیتوں اور کتوں کے ذریعہ شکار) موجود ہیں مگر جب سر پر ذمہ داری نظم مملکت کی پڑ جائیگی تو یہ سب مشاغل چھوٹ جائیں گے اس لیئے آپ امت کو خونریزی سے بچائیے اور خلافت کو بدلنے نہ دیجئے" یہ سنکر پھر سیدنا معاویہؓ نے ہر صوبہ کے گورنر کے ذریعہ وہاں کی رعایا کی عام آزادانہ رائے معلوم کی سب نے یزید کا نام لیا تب سیدنا معاویہؓ نے یزید کو نامزد کیا سب نے پسند بھی کیا۔ ایسی عام پسند اور اتنا عام مشورہ کسی کی خلافت کے لیئے نہیں ہوا تھا۔

امر سوم : اسکے ساتھ یزید کی ذاتی صلاحیت و نکوکاری کی گواہیاں ہم شبہ ، کے ذیل میں مفصلاً لکھ آئے ہیں۔ محمد بن حنفیہ سیدنا حسینؓ کے بھائی نے شہادت حسینؓ کے بعد گواہی دی۔ عبداللہ بن عباس نے اسکو اچھا بتایا (جیسا گزر چکا) ، ۳ ۷ صحابہؓ نے اسکی بیعت کی انکے علاوہ سو ڈیڑھ سو صحابہؓ و صحابیاتؓ نے اسکی خلافت تسلیم کی اعتراض و انکار (بجز حسینؓ و عبداللہؓ کے) کسی کو نہ تھا۔ دوسری

طرف اسکے گھرانہ میں سات آٹھ پشت سے سیادت قوم و قیادت افواج و صلح و حرب کا کاروبار چلا آتا تھا حضرت مغیرہؓ یزید میں حکومت کی صلاحیت دوسرے امیدواروں سے زیادہ پاتے تھے اور پورا ہی بنو امیہ کا قبیلہ (دوسرے قبائل بنو ہاشم بنو مخزوم بنو اسد کے مقابلہ میں) زیادہ حوصلہ مند۔ تجربہ کار۔ تعلیمیافتہ تھے اسی وجہ سے حضورؐ نے اپنی حیات میں نظم ممالک اور قیادت حربی کے کاموں میں سب سے زیادہ اموی افراد ہی کو مقرر فرمایا تھا لہٰذا یزید بھی اپنے قبیلہ کے ان خصائص کا حامل تھا ان سب امور کے پیش نظر امیر معاویہؓ نے صحابہ اور گورنروں اور رعایا کے آزاد ووٹ دیکھکر یزید کو خلیفہ بنایا تھا۔ ان حالات میں یزید کو خلیفہ بنانے کو خلاف شریعت اور بدعتِ عجم کہنا صرف امیر معاویہؓ پر الزام نہیں ہے بلکہ انپر اعتراض اور انکو برا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام صحابہؓ کو تمام امہات المومنینؓ کو تمام امتِ محمدیہ کو غلط کار اور برا کہا جائے صرف اسلئے کہ سیدنا حسینؓ اور ابن زبیرؓ کو ناپسند تھا۔ یہ صرف مرض قلبی اور عداوت صحابہؓ کا پتہ دیتا ہے۔ سبائیہ کا یہی مذہب یہی مقصد تھا بے خبر سُنی بھی انھیں کی تقلید کر رہے ہیں۔ انکو سوچنا چاہیئے کہ کہیں آخرت میں اسیر مواخذہ میں نہ پڑ جائیں۔

اس تفصیل کے بعد اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ایک واقعہ خدا ترسی اور فکر آخرت کا اور ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کردینا

بھی ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے :-

(۱) وہ یہ کہ جب انکا انتقال ہونے لگا تو آپ نے یہ دعا مانگی :-

"خدایا اگر میں نے یزید کو اسلیئے ولیعہد بنایا ہے کہ کہ وہ اسکی صلاحیت رکھتا ہے تب تو اسکی ولیعہدی کو تو بھی پسند اور قبول کر اور اگر میں نے محبت پدری میں اسے ولیعہد خلیفہ بنایا ہے تو تو اسے قبول نہ فرما (اور اس کام کو پورا نہ ہونے دے)"۔

(ابن کثیر ج ۸ ص ۸۰)

لمثل ھذا یذوب القلب من کمدٍ ان کان فی القلب اسلامٌ و ایمانٌ

پیشین گوئی

بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں طبری کا ایک جملہ بھی نقل کر دیا جائے جو اس نے سیدنا معاویہؓ کی وصیت" کے تحت ابو مخنف کی روایت سے لکھا ہے جس سے ایک طرف تو سیدنا معاویہؓ کی کرامت اور روشن ضمیری نکلتی ہے دوسری طرف بعض تاریک گوشے بھی روشنی میں آجاتے ہیں طبری ۶/۱۸۰ میں وصیت کے ختم کے قریب الفاظ یہ ہیں: اما الحسینؓ بن علیؓ فرجل خفیف ... ... لا اظن اھل العراق تارکیہ ..... وارجوان یکفیکہ اللہ بمن قتل اباہ وخذل اخاہ" یعنی تمہارے مقابلہ میں حسینؓ بن علیؓ جو ہیں تو عراقی (کوفی) انھیں عافیت سے بیٹھا نہ رہنے دینگے

بلکہ انکو تمھارے مقابلہ پر ابھار کرے آئیں گے اور میں امید کرتا ہوں کہ تم کو اُن سے لڑنے کی نوبت آنے نہ پائیگی انکو بھی وہی لوگ پٹا دینگے جنھوں نے انکے والد علیؓ کو شہید کیا اور انکے بھائی حسنؓ کا ساتھ نہ دیا۔

خاتمہ

اور ایک لمحۂ فکریہ

خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے علم و فہم کی حد تک "شہادت حسینؓ" کے معمے کا حل پوری دیانتداری سے پیش کر چکے اور اس سے دراصل مقصود ہے علمیؔ و تاریخی رنگ میں تحقیق حالات اور دریافت حقیقت اصلؔ مجرمین کی عیاریوں کا پردہ چاک کرنا ورنہ حاش للہ کسی واقعی مجرم کی صفائی اور اسکا تبریہ مقصود نہیں ہے۔ ہاں اگر ضمناً کسی بیگناہ کی صفائی ہو جائے تو خیر۔ قرآن نے (سوء) ظن کو اِثم اور گناہ فرمایا ہے اس لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی سے حسن ظن رکھنے میں تو کوئی قباحت نہیں ہاں سوء ظن رکھنے میں البتہ حرج و قباحت اور گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی پر لعنت کیجائے اور وہ

حقیقت میں اسکا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اسی لعنت کرنیوالے پر لوٹ آتی ہے اس لئے سوء ظن سے بڑھکر اگر کوئی کسی بے گناہ پر لعنت کریگا تو گویا وہ خود اپنے کو لعنت کر رہا ہے۔ والعیاذ باللہ منہ۔

تاریخ مذکور اور "النقمۃ الباغیہ" کے بے پناہ پروپاگندے سے اتنا مرعوب و متاثر ہو جانا کہ اسکی بنیاد اور بل پر صحابہؓ اور تابعین رح تک کے ارشادات کو (جو اس کتاب میں بکثرت پیش بھی کئے گئے اور بعض اقوال جو مزید تلاش سے بعد میں ملے ہیں آگے درج ہیں) نظر انداز کر جانا۔ احادیث بخاری کے مقابلہ میں مسخ کردہ تاریخ پر زیادہ اعتماد اور اعتقاد رکھنا جتنی بڑی علمی گمراہی اور دینی غلطی ہے وہ علم و فکر آخرت والوں پر پوشیدہ نہیں۔

اس کتاب میں جو کچھ تفصیل سے عرض گیا ہے اسکا خلاصہ صرف دو نکتے ہیں: پہلا نکتہ: یہ کہ حضرات صحابہ رضؓ و تابعین اور خاصکر جنگ کربلا میں شرکت کرنے والے اور حضرت حسینؓ سے قریبی تعلق والے حضرات تو امیر یزید کو شہادت حسینی کا مجرم نہیں بتاتے وہ تو سب متفق اللفظ ہو کر کوفیوں ہی کو قاتلان حسینؓ کہتے ہیں اصولاً اور عقلاً و نقلاً یہی تینوں جماعتیں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ قابل وثوق و اعتماد ہیں اسلئے انصاف کا تقاضا ہے کہ امیر یزید کے بارے میں اپنی رائے اپنا خیال و عقیدہ وہ رکھنا چاہیئے جو مذکورہ جماعتوں کا خیال و عقیدہ یقینی اور متفق علیہ طور پر معلوم ہو۔ البتہ ممکن یہ بھی ہے کہ کسی

صحابی، تابعی کا قول اس متفق علیہ کے خلاف بھی کہیں ہو تو اسکے لیئے درایت اور عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قول تین حال سے خالی نہ ہوگا (۱) یا تو وہ صحابی (بلکہ تابعی) حکومت کی مخالف کسی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہونگے اور انکی مخالفت میں ان کی کوئی وجہ رہی ہوگی۔ ع۔ چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد جیسے عبداللہ بن مطیع کہ تابعی ہی تو تھے لیکن سبائیہ سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے داعی اور کینویسر بن گئے تھے۔ پھر سب جانتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امیر یزید کے شرابی ہونے کا بہتان گھڑا (۲) یا پھر ان صحابی اور تابعی کی طرف اس مخالف قول کی نسبت غلط طور پر کر کے اسے پروپیگنڈا کمیٹی نے خوب مشہور کردیا آخر جب سرزمین عراق نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیں جس کے متعلق حضورؐ جہنم کے عذاب الیم کی بشارت بھی دے چکے تھے تو کسی صحابی یا تابعی کی طرف غلط بات منسوب کرنا انھیں کیا مشکل تھا؟ (۳) یا پھر وہ صحابی اور تابعی حالات زمانہ سے سخت بے خبر اور بے تعلق و بہت سادہ دل رہے ہونگے کہ ہر شخص کی ہر بات کو محض اس لیئے مان لیتے ہونگے کہ مسلمان سے بعید ہے کہ وہ جھوٹ بولے یا کسی کو جھوٹی تہمت لگائے۔ آخر انسان اول علیہ السلام نے (باوجودیکہ حق تعالیٰ نے تعلیم اسماء کیوقت تنبیہ و اطلاع دیدی تھی کہ دیکھو یہ ابلیس تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے کہیں یہ تم کو جنت

سے نکال نہ دے) پھر بھی اسکے فریب میں آکر دو دیکھ کر بیٹھے جس سے خدا نے منع فرمادیا تھا۔ الغرض انشاء اللہ اول تو کسی صحابی یا تابعی کا یہ قول ملے گا ہی نہیں کہ "امیر یزید خود یا انکے گورنز اور حکام یا انکے لشکر نے سیدنا حسین کو شہید کیا ہے" اور اگر بالفرض کوئی ایسا قول مل بھی جائے تو وہ وجوہ مذکورہ کی بنا پر ناقابل التفات ہے

دوسرا نکتہ: یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ملک کی مشہور تخریبی اور مفسد جماعت الفئۃ الباغیہ کو نظر انداز کر جانا بے عقلی بھی ہے اور فریب دہی بھی بھلا وہ باغی ٹولی جو سیدنا عثمانؓ کے (گویا حکومت وقت کے) خلاف کھلی "بغاوت" کر کے اپنے کو "الفئۃ الباغیہ" کا اور بقول طبری لعنت رسول کا اصل اور صحیح مصداق ثابت کر چکی ہو اور جس کے سیاہ کارنامے (جھوٹے مضامین کے خطوط ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا۔ فتنہ پھیلانا۔ صحابہؓ کو بدنام کرنا اور موقع ملے تو قتل کردینا پھر اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپ کر خود پاکدامن اور خیر خواہ اسلام بنے رہنا) مسلسل تجربہ میں آرہے تھے۔ جو سیدنا علیؓ کو کافر مباح الدم۔ سود اللہ وجہہٗ کہکر شہید کر چکے تھے۔ جو سیدنا حسنؓ کو مُسوّد وجوہ المسلمین کی گالی دیکر انپر قاتلانہ حملے کر چکے تھے جو امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ پر قاتلانہ حملے کر چکے تھے۔ جو سیدنا طلحہؓ کو شہید کر کے اسکا الزام حضرت مروان پر۔ سیدنا عمارؓ کو شہید کر کے اسکا اتہام امیر معاویہؓ کے سر اور کبھی امیر یزید کے سر لگا چکے تھے۔ وہ اگر جھوٹے

خطوط سیدنا حسینؓ کے پاس بھیجیں اور انکو فریب دیکر شہید کردیں اور پھر اسکا الزام امیر یزید پر لگا دیں تو پھر اسمیں کونسا استبعاد ہے یا کونسی نئی بات ہے کہ انکا قاتل امیر یزید کو بنانے کی ضرورت پڑے۔ عجیب بات ہے کہ جب یہ مُسلّم ہو کہ سیدنا حسینؓ کو کوفیوں نے بہت اصرار کر کے بلایا اور یہ بھی مُسلّم ہے کہ کوفیوں نے شہادت حسینؓ کے متصلاً بعد اپنے جرم دگناہ (قتل حسینؓ) پر توابین کی جماعت بنا کر مدتوں خلق اور خالق کے سامنے خود اعتراف جرم اور توبہ گریہ کیا ہے اس سب کے بعد بھی نتیجہ اور خلاصہ یہ نکالنا کہ "انکو شہید کرنے والے امیر یزید، شامی فوج تھی" بھولے پن اور سادہ لوحی کا "شاہکار رہی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے ایک بچہ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ لفظ تبَتّتْ کے ہجے تو صحیح کرتا تھا ت ب زبر تبْ اور ب ت زبر بَتْ مگر جب پورا لفظ ملا کر روانے پڑھتا تو ہمیشہ بطخ کہتا اسپر سننے والے ہنستے۔

اب آخر میں بعض اہلبیت حسین کے بعض اقوال جو تلاش سے بعد میں ملے تتمہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں :۔

(الف) سیدنا حسن مثنیٰ : نے ایک غالی (بناوٹی) محب سے فرمایا "تم لوگوں پر افسوس ہے ہم لوگوں سے بس اللہ کے لئے محبت کیا کرو۔ جب ہم اللہ کی اطاعت کریں تو تم بھی ہم سے محبت کرو اور اگر ہم اللہ کی نافرمانی کریں تو ہم سے بغض بھی کرو" وہ بولا آپ تو

حضورؐ کے اہلبیت ہیں"؟ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہو، اگر حضورؐ کی قرابت طاعت کے بغیر کسی کو نفع دیسکتی تو انکو ضرور نفع دیتی جو ہم سے زیادہ حضورؐ کے قرابت دار تھے آپ کے والدین مجھے تو ڈر ہے کہ معاصی ہیں کہیں ہم پر گناہ (کی سزا) زیادہ نہ ہو"۔ (فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ دوم ص۲۰ وطبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵)

(ب) سیدنا علی زین العابدینؒ: نے ایک کوفی سے فرمایا "(۱) تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو۔ خدا کی قسم تم لوگ تو ہمارے متعلق اتنا کچھ (جھوٹ سچ) کہتے رہے کہ تم نے ہم کو بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں مبغوض بنا دیا" (تابعین از شاہ معین الدین ندوی ص ۳۱۳ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۵ ص۱۵۸)

(۲) آپ نے ایک دوسرے کوفی سے بیزار ہو کر فرمایا" ... تمہاری محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے (تابعین ص۳۱۳ بحوالہ ابن سعد ج ۵ ص۱۵۸) (۳) ایک بار چند کوفی (سبائی) آپ کے پاس خلفاءؓ ثلاثہ کو کچھ نازیبا باتیں کہنے لگے آپنے قرآن سے مہاجرین اور خلفاءؓ ثلاثہؓ کے اور انصار اور عام صحابہؓ کے فضائل بیان کر کے فرمایا" خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ"۔ (تابعین ص۳۱۵ بحوالہ صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴)۔

سن لیجئے! اس طرح کے بیزاری کے خیالات ظاہر کئے ہیں اہلبیت حسینی نے ان کوفیوں کے بارہ میں جو اپنے چہرہ پر

"محب اہلبیت اور شیعیان علی" کے پر فریب مگر حسین نقاب ڈالکر اپنے کو چھپانا چاہتے تھے۔ کاش ہمارے اہلسنت علماء اور عوام بھی انکو پہچان لیں۔

تیسرا اہم نکتہ :۔ سیدنا حسین رضؓ اور شہادت کا ذکر جب بھی کیا جاتا ہے ہمیشہ جذبات کے اشتعال اور افراط عقیدت کے استعمال کے ساتھ کیا جاتا ہے مرکزی نقطہ یہ ہوتا ہے کہ" ارے غضب خدا کا! سیدنا حسین رضؓ، سیدہ فاطمہ کے نور نظر، سیدنا علی مرتضیٰ رضؓ کے لخت جگر، سید الانبیاءؐ کے دوش کے سوار، بھوکے پیاسے مظلوم شہید کیئے گیے" اتنا سنکر ہر مسلمان سخت رنج اور غصہ میں بھر جاتا اور انکے قاتلین پر غصہ اتارنے کے لیئے بیچین سا ہو جاتا ہے بس اسکے بعد جیسے ہی جھوٹے مورخوں کا یہ آرٹ بھرا فنکارانہ معمولی سا اشارہ انکے سامنے آتا ہے کہ انکا قاتل یزید اموی تھا اور چونکہ یزید پوتا تھا ابو سفیان رضؓ کا اور وہ مدت تک حضورؐ کی دشمنی کرتے رہے اسلیئے یزید نے انکو قتل کر دیا" بس اتنا سننے پر ہر مسلمان انتہائی اشتعال میں سارا غصہ یزید پر اتارنے لگتا ہے اور تحقیق کرنا غیر ضروری سمجھتا ہے اس لئے چاہیئے یہ کہ ذرا ساٹھنڈے دل سے حالات پر خود بھی غور و فکر کرے اور جذبات کے اشتعال سے کام نہ لے۔

چند فہرست اسماء با تعداد

(۱) اہل کوفہ نے جتنے قاصد سیدنا حسینؓ کو بلانے کیلئے بھیجے۔

(طبری ج ۶ ص ۱۹۷)۔

۱۔ سلیمان بن صرد نے مسیّب و رفاعہ و حبیب کے مشورہ سے خط میں لکھا "خدا کا شکر ہے جس نے آپ کے دشمن غاصب (سیدنا معاویہؓ) کی گردن توڑ دی۔ ہم نعمان بن بشیر کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھتے آپ آئیے"۔ عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن والی کے ہاتھ بھیجا۔

۲۔ پھر دو دن کے بعد قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ و عمارہ کو بھیجا۔

۳۔ پھر دو دن بعد ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کو بھیجا۔

---

(۲) سیدنا حسینؓ کے حمایتی قبائل جن کے کچھ لوگ مارے گئے

(طبری ج ۶ ص ۲۹۱)

۱۔	قبیلۂ کندہ کے	۱۳ نفر	انکا سردار قیس بن اشعث تھا
۲۔	قبیلۂ ہوازن کے	۲۰ نفر	انکا سردار شمر ذی الجوشن تھا
۳۔	قبیلۂ تمیم کے	۱۷ نفر	

۴- قبیلۂ بنو اسد کے ۶ نفر

۵- قبیلۂ بنو مذحج کے ۷ نفر

۶- متفرق ۷ نفر

کل ۷۰ نفر

---

(۳) کربلا کو جانے والے ہاشمی و غیر ہاشمی

سیدنا حسینؓ[۱] - سلافہ (غزالہ)[۲] - ربابؑ[۳] - شکینہ[۴] - کنیز[۵] (غالباً فضہ) سلیمان[۶] (سیدنا حسینؓ کے ایک غلام) - منجح[۷] - عبداللہ[۸] بن یقطر - عقبہ[۹] بن سمعان - عباس[۱۰] بن علیؓ - جعفر[۱۱] بن علیؓ - عبداللہ[۱۲] بن علیؓ - عثمان[۱۳] بن علیؓ - ابوبکر[۱۴] بن علیؓ - محمد[۱۵] بن علیؓ - علی اصغر[۱۶] بن حسین - عبداللہ[۱۷] بن حسینؓ ابوبکر[۱۸] بن سیدنا حسن - عبداللہ[۱۹] بن حسن - قاسم[۲۰] بن حسن - حسن[۲۱] مثنیٰ بن حسن عمر[۲۲] بن حسن - عون[۲۳] بن عبداللہ - محمد[۲۴] بن عبداللہ جعفر - جعفر[۲۵] بن عقیل - عبدالرحمٰن[۲۶] بن عقیل - عبداللہ[۲۷] بن عقیل - عبداللہ[۲۸] بن مسلم بن عقیل - محمد[۲۹] بن ابوسعید بن عقیل -

---

(۴) شہدائے کربلا (ہجری ۶/۲۹۹)

سیدنا حسینؓ[۱] (قاتل سنان بن انس) - عباس[۲] بن علیؓ (قاتل زید بن

رقاد) ۔ عثمان[3] بن علی ۔ جعفر[4] بن علی (قاتل ...) ۔ ابو بکر[5] بن علی (قاتل ...) ۔ محمد[6] اوسط بن علی (بنو دارم کا ایک فرد) علی[7] اصغر بن حسین (قاتل مرہ) ۔ عبداللہ[8] بن حسین (قاتل ہانی) ۔ ابو بکر[9] بن حسن (قاتل عبداللہ) عبداللہ[10] بن حسن (قاتل حرملہ بن کاہن) ۔ قاسم[11] بن حسن (قاتل سعد بن عمر) ۔ عون[12] (قاتل عبداللہ بن قطبہ) ۔ محمد[13] (قاتل جابر بن) جعفر[14] بن عقیل (قاتل بشر بن حوط) ۔ عبدالرحمن[15] بن عقیل (قاتل عثمان بن خالد) عبداللہ[16] بن عقیل (قاتل عمر بن صبیح) ۔ عبداللہ[17] بن مسلم (قاتل عبداللہ بن صبیح) ۔ محمد[18] بن ابو سعید (قاتل یقیط بن یاسر) ۔ سلیمان[19] مولیٰ حسین رض (سلیمان بن عوف) ۔ [20] مولیٰ حسینؓ ۔ عبداللہ[21] بن یقطر ۔

کربلا سے واپس ہونے والے

(اولاد حسینؓ میں) علی زین العابدینؑ ۔ محمد ۔ جعفر ۔ عمر (اولاد حسنؓ میں) زید ۔ حسن مثنیٰ ۔ عمر ۔ طلحہ ۔ (اولاد عباس) فضل ۔ حسن ۔ عبیداللہ ۔ (اولاد زین العابدینؑ میں) حسین اکبر ۔ محمد باقر (اولاد مسلم میں) علی ۔ محمد ۔ (اولاد عبداللہ بن عقیل میں) عبدالرحمن ۔ مسلم ۔ عقیل ۔ محمد ۔ (اولاد عبدالرحمن بن عقیل میں) سعید ۔ عقیل ۔ (خواتین میں) حضرت زینب ۔ سکینہ ۔ فضہ کنیز ۔ شہربانو [illegible]

تصحیح اغلاط

ص ۵ سطر ۸	ذوالثقفاۃ	ص ۸ سطر ۷	الغزوۃ
ص ۶ سطر ۲۴	سالِ ولادت لکھا ہے	ص ۸۱ سطر ۱۵ و ۱۶	شہادت ہے کہ
ص ۲۰ سطر ۵	الا ایہا	ص ۹۳ سطر ۹	ان تجتنبوا
ص ۳۴ سطر ۱۶	لقب دیدیا ہوگا	ص ۱۵۱ سطر ۴	انھیں نے
ص ۳۶ سطر ۲	مناقب سے	ص ۱۴۶ سطر ۲ و ص ۱۸۳ سطر ۱	نوٹ

مصنف کی دوسری تالیفات

	صفحات	قیمت	
۱۔ مناظر خودی نظم	۱۶	۲ر	نفی خودی اور عرفان خودی پر دو قصیدے
۲۔ انہار فردوس "	۳۲	۴ر	حمد و نعت اور منقبت صحابہ میں آٹھ نظمیں مع حواشی مفید
۳۔ انسان اور کائنات "	۳۲	۶ر	ڈارون کی تھیوری کی تردید ارتقا پر اسلامی موقف
۴۔ شرح رائیہ عطارؒ "	۱۵۲	عہ	عطارؒ کے قصیدۂ وحدت الوجود کی شرح
۵۔ فلاح و ترقی کے اصول	۱۹۲	عہ	حدیث شعب الایمان کی شرح جدید روشنی میں
۶۔ اہلبیت و اہلسنت	۹۶	عہ	حدیث کسا پر اسماء الرجال کی رو سے تنقید
۷۔ وفات سرور کائنات	۹۶	عہ	حضورؐ کی علالت و وفات پر ایک تحقیقی رسالہ
۸۔ خلافت و ملوکیت کی حقیقت (طبع دوم)			خلفاء ثلاثہ کی افضلیت کی احادیث کا مجموعہ اور خلافت و ملوکیت کا فرق۔
۹۔ مناجات مقبول کرمی (مع اضافات جدید)	۳۵۲	صہ	مصنف ہذا کے جدید ۱۶ مفید اضافات کے ساتھ جو بیحد مقبول ہوئی چند برسوں میں چھ ایڈیشن نکل چکے۔
۱۰۔ خطب العرفان من شعب الایمان	۳۵۰	زیر تالیف	جمعہ کے عربی خطبے حدیث شعب الایمان کی بنیاد پر رد رفض و بدعت میں بے نظیر۔
۱۱۔ علم القرآن			قرآن سے کلمات اخذ کر کے عربی کی ریڈر
۱۲۔ تاریخ عزت اسلام			اسلام کے اولین بارہ خلفاء کی تحقیقی سیرت

ملنے کا پتہ: (مصنف سے) ۶۳۵ حسن منزل ۔ الہ آباد ۔